سلسلہ مطبوعات: ۷

مطالعۂ تصنیفات

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ

مرتبین

محمد مزمل حسین — محمد ابو اسامہ

ناشر

انجمن الاصلاح، معہد القرآن الکریم

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اوّل

۱۴۴۵ھ - ۲۰۲۴ء

نام کتاب	:	مطالعۂ تصنیفات حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ
نام مرتبین	:	محمد مزمل حسین — محمد ابواسامہ
صفحات	:	۱۰۸
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۱۰/روپئے

ملنے کے پتے:

مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مکتبة الشباب العلمية، ندوہ روڈ لکھنؤ

مکتبہ اسلام، رؤوف مارکیٹ، امین آباد، لکھنؤ

ناشر

انجمن الاصلاح، معہد القرآن الکریم

دار العلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فہرست

	مقدمہ — حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۵
	تقریظ — جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی	۷
	تقریظ — حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۹
	پیش لفظ — مولانا قاری مفتی محمد ریاض مظاہری	۱۲
	حرفے چند — مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی	۱۳
	اپنی بات — محمد مزمل حسین-محمد ابواسامہ	۱۴
	حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ: حیات مستعار کے چند پہلو	۱۵
	اردو تصنیفات	۲۳
۱	قرآن آپ سے مخاطب ہے	۲۵
۲	انسانیت آج بھی اُسی در کی محتاج ہے	۲۷
۳	سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ	۲۹
۴	روداد چمن	۳۱
۵	پیام ندوۃ العلماء	۳۳
۶	تذکرہ شاہ علم اللہ حسنیؒ	۳۵
۷	جادۂ فکر و عمل	۳۷
	عربی تصنیفات	۴۱
۸	الإسلام الممتحن	۴۳
۹	أضواء على الطريق	۴۶
۱۰	مع الحقيقة	۴۸

۱۱	المنهج الإسلامي السليم	۵۰
۱۲	الإسلام بين لا و نعم	۵۲
۱۳	همسات إلى جزيرة العرب	۵۵
۱۴	تناقض" تحار فيه العيون و"تطابق" يسر به المؤمنون	۵۸
	ترجمے	۶۱
۱۵	نبی رحمت	۶۳
۱۶	کاروان مدینہ	۶۵
۱۷	معرکہ ایمان ومادیت	۶۷
۱۸	ارکان اربعہ	۶۹
۱۹	مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش	۷۱
۲۰	تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ	۷۵
۲۱	تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک	۷۹
۲۲	عالم عربی کا المیہ	۸۲
۲۳	إذا هبت ريح الإيمان	۸۵
۲۴	بين الصورة و الحقيقة	۸۷
۲۵	شهداء بالاكوت يتكلمون	۸۹
۲۶	فضائل الصلاۃ	۹۲
۲۷	طوفان سے ساحل تک	۹۴
۲۸	پا جا سراغ زندگی	۹۹
۲۹	سالانہ رپورٹ انجمن الاصلاح	۱۰۱
۳۰	فہرست معتمدین وارا کین	۱۰۵
۳۱	نظمائے انجمن الاصلاح	۱۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اپنی زندگی کی چوالیس بہاریں دیکھیں، مگر اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے قلم سے عالم اسلام کی رہنمائی کی، وہ اپنی عربی تحریروں میں عرب کے ممتاز ادباء و داعیوں میں شمار کئے جاتے تھے، قومیت عربیہ کے فتنہ کو بے نقاب کرنے میں انہوں نے جو کردار ادا کیا تھا، اس کا عالم عربی نے پورا اعتراف کیا، ندوۃ العلماء سے انہوں نے عربی مجلّہ البعث الاسلامی بیس سال کی عمر میں جاری کیا، مگر ان کے طاقتور اور فکر انگیز اداریوں نے ان کو کہنہ مشق صحافیوں کی صف میں لا کھڑا کیا، اسی طرح پندرہ روزہ تعمیر حیات کا آغاز بھی انہیں کی ادارت میں ہوا، اور انہوں نے اردو میں ایسے طاقتور اداریئے لکھے، جن کی تازگی آج بھی محسوس کی جاتی ہے، مولانا نے مضامین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ زمانے کے امراض کی نشاندہی کرتے اور دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہیں، مسائل کی عقدہ کشائی کرتے ہیں اور صحیح اسلامی معاشرہ کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ مدرسی تعلیم حاصل نہیں کی، ان کے والد ماجد مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی نے ان کے لئے خانہ ساز نصاب مقرر کیا تھا، اسی ترتیب پر انہوں نے تعلیم پائی، اس میں بڑا حصہ خود ڈاکٹر صاحب کا ہے، جن کو اللہ تعالی نے تعلیم و تربیت کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، مزید حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ان کی

تعلیم میں دلچسپی لی اور وہ چند ہی سالوں میں ایک گوہر نایاب ہو گئے ۔ انہوں نے البعث و تعمیر حیات اور الرائد کے علاوہ کچھ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، جوان کے زرخیز قلم کا شاہکار ہیں، جیسے بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کی سوانح اور تذکرہ شاہ علم اللہ حسنی وغیرہ، بعد میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی، جن میں جادۂ فکر وعمل، قرآن آپ سے مخاطب ہے، انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج وغیرہ ہیں، اور عربی مقالات کے مجموعے برادر اکبر مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ کی توجہ سے جمع ہوئے، خود والد ماجد کی حیات میں "الإسلام الممتحن" کے نام سے ایک مجموعہ جوان کے البعث کے اداریوں پر مشتمل ہے، شائع ہو چکا تھا۔ والد ماجد نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کچھ کتابیں مرتب کی، جن میں دعوت فکر وعمل جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے خطبات پاکستان کا مجموعہ ہے، اور پاجا سراغ زندگی جو دار العلوم ندوۃ العلماء میں ان کے افتتاحی واختتامی سالوں میں کی گئی تقریروں کا مجموعہ ہیں، مزید انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی متعدد کتابوں کا عربی سے اردو میں یا اردو سے عربی میں ترجمہ کیا ہے، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے فضائل اعمال کے ایک باب (فضائل نماز) کا عربی ترجمہ کیا ہے۔ اس طرح والد ماجد کی کتابیں ماشاء اللہ دو درجن سے زیادہ ہیں۔

انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم کے طلباء نے امسال والد ماجد کی تحریروں اور کتابوں کے مطالعہ کا نظام بنایا، اس میں اس انجمن کے مربیان نے ان کا تعاون کیا اور رہنمائی کی، میں اس عمل پر ان کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعائے خیر کرتا ہوں ۔ اللہ قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

والسلام

بلال عبد الحی حسنی ندوی

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۳۱/۱/۲۰۲۴ء

تقریظ

جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد، وعلى آله وصحبه وأجمعين وبعد.

''معہد القرآن'' میں مقیم عربی درجات کے طلبہ اپنے دونوں نگراں قاری محمد ریاض صاحب مظاہری اور مولانا محمد فرمان صاحب ندوی کی دلچسپی، توجہ اور مشورہ سے صحیح کتابوں کا انتخاب کر کے مطالعہ جس اہتمام سے کر رہے ہیں، وہ قابل قدر بھی ہے اور باعث مسرت بھی۔

درسی کتابوں کے ساتھ خارجی مطالعہ کی اہمیت سے انکار کون کرسکتا ہے، آپ کسی ایسی شخصیت کو لیں جو علمی، تحقیقی اور تصنیفی میدان میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتی ہو، تو اس کے پیچھے آپ کو مطالعہ ہی نظر آئے گا، مطالعہ میں انہماک نظر آئے گا، مطالعہ کا وہ شوق نظر آئے گا جو دوسروں کو اپنے پسندیدہ کھیلوں اور من پسند کھانوں میں نظر آتا ہے۔

کسی بھی طالب علم کی کامیابی، علمی ترقی، ذہنی ارتقاء اور عقلی سطح کی بلندی میں مطالعہ کی وہ حیثیت ہوتی ہے، جو جسم کی تندرستی، صحت مندی، عضلات کی مضبوطی میں مفید، مناسب، مقوی اور زود ہضم غذا کی ہوتی ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کتابوں کے انتخاب میں ذراسی غلطی، مطالعہ میں ذراسی بے احتیاطی، عمر و ذہنی سطح اور مقصد سے بے جوڑ مطالعہ سے بسا اوقات وہ نقصان پہنچ جاتا ہے، جس کی تلافی عمر بھر نہیں ہوسکتی، ریڑھ کی ہڈی اگر ٹیڑھی ہوجائے یا ریڑھ کی ہڈی میں کوئی روگ لگ جائے تو کبڑا بننے میں دیر نہیں لگتی، اسی طرح اگر غلط کتابیں زیر مطالعہ آجائیں تو فکر کی کجی کو روکا نہیں جاسکتا، اس لئے کتابوں کے انتخاب میں اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اہل حق کی ہوں اور اگر اہل

حق اہل دل بھی ہوں تو کیا کہنا، تا آنکہ ان کا علم بھی پختہ ہو جائے اور ان کی عقل بھی۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر علم اور عقل دونوں پختہ ہو چکے ہوں تو اناپ شناپ کتابیں پڑھ کر بھی بھکنے کا امکان نہیں رہتا، لیکن مشاہدہ کچھ اس طرح کا بھی ہے کہ عقل بھی پختہ، علم بھی پختہ، صحبت بھی اچھی، ماحول بھی اچھا، لیکن غلط لوگوں کی غلط کتابیں پڑھ کر آدمی بہکتا ہے اور بہکتا چلا جاتا ہے، تو یہ خطرہ مول ہی کیوں لیا جائے اور یہ خطرہ مول لے کر اپنے عقیدہ، اور اپنے ایمان کو خطرہ میں کیوں ڈالا جائے۔

بغیر ڈاکٹر کے مشورہ اور اس کی ہدایات کے جو لوگ اپنا علاج خود کرنے لگتے ہیں، وہ ذہنی اور جسمانی دونوں بیماریوں کو دعوت دیتے ہیں، خود بھی پریشان رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں، بغیر استاد اور مربی کے مشورہ کے مطالعہ کرنے والوں کا حال ایسے مریضوں سے مختلف نہیں ہوتا۔

''مطالعہ تصنیفات'' کے عنوان سے منعقد ہونے والے دو پروگراموں میں شرکت کا مجھے موقع ملا، نہایت موزوں انتخاب اور انتہائی عمدہ پیشکش، اس مرتبہ جن کتابوں کا انتخاب تھا اور جن کا تعارف بھی کرایا گیا اور خلاصہ بھی پیش کیا گیا، وہ مولانا سید محمد الحسنیؒ کی کتابیں تھیں، صحیح فکر، دلکش اسلوب، شگفتہ تحریر، جذبہ، حمیت، حرارت، مقصدیت، مرض کی تشخیص، علاج، پرہیز، احتیاط کس چیز کی کمی ہے، بشرط آدمی پڑھے اور سمجھ کر پڑھے اور دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کرے، کچھ بعید نہیں کہ اس مطالعہ کی برکت سے اللہ تعالی پڑھنے والے کو بھی قلم کی وہی طاقت عطا فرمائے اور اس کی تحریر میں وہی آبشار والی کیفیت پیدا ہو جائے جیسا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مولانا محمد الحسنیؒ کی تحریر پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس میں آبشار کی طاقت بھی ہے، اور آبشار کی روانی بھی ہے اور آبشار کی دلکشی بھی ہے۔

مطالعہ سے طلبہ کی یہ دلچسپی دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ ان کا مستقبل روشن اور ان کی خدمات نمایاں رہیں گی۔

جعفر مسعود حسنی ندوی
ناظر عام ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وامام المرسلين محمد وعلى آله و أصحابه أجمعين ، أما بعد !

مولانا سید محمد الحسنیؒ نہ صرف ایک ادیب موہوب، ایک عظیم الشان انشاء پرداز اور قلم کے بادشاہ تھے، بلکہ وہ ایک داعی، ایک مفکر اور ایک مصلح کی شان بھی رکھتے تھے، وہ جس عصر میں پیدا ہوئے وہ جنگ آزادی کا آخری دور تھا، اس وقت تک ملک میں ایک انقلابی ادب پروان چڑھ چکا تھا، ادباء وشعراء اپنی تمام ترفنی وقلمی طاقتیں اس لڑائی کو آخری درجہ تک پہنچانے اور استعماری طاقتوں کو زیر کرنے اور ملک کو آزد کرنے کی راہ میں صرف کررہے تھے، اس وقت تک عربی زبان وادب کا ذوق عام نہیں ہوا تھا، بلکہ ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم اور اس کے ذمہ داروں کی کوششوں کے عوض عربی ادب کا چرچا جدید عربی زبان کے نام سے شروع ہو چکا تھا، اور دوسرے حلقوں میں اس ضرورت کا احساس پیدا ہوا، اور مدارس اسلامیہ نے عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ کی، جس کی وجہ سے عربی زبان وادب کے نصاب کو اہمیت دینے کا سلسلہ شروع ہوا، اور ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے عربی مجلّہ ''الضیاء'' کے بند ہونے کے بعد، سب سے پہلا عربی مجلّہ ''البعث الاسلامی'' کے نام سے ۱۹۵۵ء میں مولانا محمد الحسنی صاحب نے اپنے بعض مخلص ساتھیوں کے تعاون سے شائع کیا، اگرچہ اسوقت کے ہندوستان کے حالات میں کسی معیاری عربی مجلّہ کا نکالنا ایک جرأتمندانہ قدم

تھا، انہوں نے بڑی عالی ہمتی سے کام لیا، اوران کی ہمت وعزم کو دیکھ کر دوسروں کو بھی حوصلہ ملا، ان کی وفات اچانک ۱۳؍جون ۱۹۷۸ء کو چند گھنٹوں کی بیماری کے بعد ہوگئی، اور ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا، ان کی وفات کے بعد ان کے عم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے زورقلم اوران کی زبردست ادبی حس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''خاندان علم اللٰہی کے اس گوہر شب چراغ نے زندگی کی صرف چوالیس بہاریں دیکھیں، لیکن اپنے زورقلم سے دعوت وفکر اسلامی کے میدان میں وہ کام کیا جو بعض مرتبہ بڑے اسلامی داعیوں اوراسی میدان میں کام کرنے والوں کے لئے مشکل ہوتا ہے، سحر ناصری کے طلسم کو پاش پاش کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے، انہوں نے اپنے پر زور مضامین اور طاقتور اداریوں سے دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو گرم کیا، آنکھوں کو نم کیا، اور میدان عمل میں حرکت پیدا کی''۔

مولانا سید محمد الحسنیؒ ایک خالص علمی اور دعوتی گھرانے سے تعلق رکھنے کی بنا پر تصنیف وتالیف کا بھی بہت اونچا اور معیاری ذوق رکھتے تھے، ان کی سب سے پہلی کتاب ''سیرت محمد علی مونگیری'' ہے جو انہوں نے ۶۴ء میں لکھی تھی، اگرچہ اس سے پہلے ہی ان کا ترجمہ ''طوفان سے ساحل تک'' چھپ کر مقبول ہو چکا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے خاندانی بزرگ شیخ علم اللہ جو ایک زبرست عالم ربانی تھے کی سیرت پر اپنی کتاب ''تذکرۂ شاہ علم اللہ'' کے نام سے لکھی۔

میں نے اپنی بعض تحریروں میں اپنے ایک ایسے خیرخواہ اور مخلص دوست کا ذکر کیا ہے جن سے میرا مخلصانہ تعلق اسی وقت سے شروع ہوگیا تھا، جب مجھے ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک طالب علم کی حیثیت سے داخلہ کی سعادت حاصل ہوئی، میں اپنے درجہ سے گھنٹہ ختم ہونے کے بعد نکلتا تھا تو ایک فرشتہ نما نوجوان جو تقریباً ہم عمر تھے نظر آتے تھے، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ نوجوان اسرۂ حسنیہ کے سب سے بزرگ عالم

دین، طبیب اور ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محمد الحسنی صاحب ہیں، اور وہ دار العلوم کے محدث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث شریف کے گھنٹوں میں شرکت کرنے کے لئے آتے ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ معہد القرآن الکریم کے طلباء نے اس سال ان کی تصنیفات کا مطالعہ کیا، اور حاصل مطالعہ لکھا، میں اس کوشش پر ان کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعاء گو ہیں۔ اللہ قبول فرمائے اور خیر کا ذریعہ بنائے۔

۲۹/جنوری ۲۰۲۴ء

راقم الحروف

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پیش لفظ

مولانا قاری مفتی محمد ریاض مظاہری

(نگراں ومربی انجمن الاصلاح،معہد القرآن الکریم)

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وإمام المتقین، محمد وعلی آله وأصحابه ، ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد!

معہد القرآن الکریم دار العلوم ندوۃ العلماء میں طلباء کی ثقافتی سرگرمیوں کے لئے انجمن الاصلاح قائم ہے، جس کے ذریعہ طلباء اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے ہیں اور تقریر وتحریر کے ذریعہ ان میں نکھار پیدا کرتے ہیں، بحمد اللہ ادھر کئی سالوں سے طلباء میں روز افزوں علمی ترقیات کا مشاہدہ ہورہا ہے، وہ درسیات کے اہتمام کے ساتھ غیر درسی مطالعہ میں بھی اضافہ کررہے ہیں، اور ہفتہ واری بزموں میں پوری پابندی سے حصہ لیتے ہیں۔

انہی بزموں میں ایک بزم: بزم سلیمانی ہے، اس بزم کے تحت مؤرخہ ۲۵؍دسمبر ۲۰۲۳ء کو انجمن کے طلباء نے ’’مطالعۂ تصنیفات حضرت مولانا سید محمد الحسنی‘‘ کے عنوان سے مقالات پیش کئے، ماشاء اللہ طلباء نے محنت سے یہ مقالے لکھے، اور موضوع کا اپنی استعداد کے مطابق حق ادا کیا ہے، یہی مقالات طلباء کی ہمت افزائی کے پیش نظر شائع کئے جارہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور طلباء کو مزید سنجیدہ اور مثبت مطالعہ کی توفیق حاصل ہو۔

دعا گو

محمد ریاض عفی عنہ

۲۸؍جنوری ۲۰۲۴ء

حرفِ چند

مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی
(نگراں ومربی انجمن رواق معہد القرآن الکریم)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

بزم سلیمانی (بزم مقالہ) انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی طرف منسوب ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت تصنیف وتالیف اور تحقیق ودرایت کے بلند مقام پر تھی، اس بزم کے تحت گذشتہ کئی سالوں سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ ندوۃ العلماء کی کسی نمائندہ شخصیت کی تصنیفات کے مطالعہ کا نظام بنایا جاتا ہے، پھر اس پر مقالے لکھوائے جاتے ہیں، اور انجمن کے تحت ایک جلسہ میں یہ مقالے پیش کئے جاتے ہیں، پھر مقالے شائع کئے جاتے ہیں، اس طرح طلباء کی ہمت افزائی بھی ہوتی ہے اور ان میں مبسوط مطالعہ کا ایک رجحان بھی پیدا ہوتا ہے۔

ماشاء اللہ سالہائے گذشتہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری کی تصنیفات، علامہ شبلی نعمانی کی تصنیفات، علامہ حکیم سید عبدالحی حسنی کی تصنیفات، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصنیفات، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تصنیفات اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تصنیفات کے مجموعے اسی انجمن سے شائع ہو چکے ہیں، اس طرح یہ ساتواں مجموعہ ہے، جو مولانا سید محمد الحسنی کی تصنیفات کے حاصل مطالعہ پر مشتمل ہے، طلبائے معہد القرآن نے بالاستیعاب ان کتابوں کا مطالعہ کیا، نوٹس تیار کئے، پھر ان کی روشنی میں ایک مضمون لکھا، جو کتابوں کے حاصل مطالعہ پر مشتمل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

راقم الحروف
محمد فرمان ندوی
معہد القرآن الکریم، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۵/۷/۱۴۴۵ھ
۲۷/۱/۲۰۲۴ء

اپنی بات

الحمد لله ربّ العالمين ، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين ، محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد !

مطالعہ کتب ایک فن ہے، جس کے ذریعہ علم وفکر کو جلا ملتی ہے، مطالعہ سے ذہن میں وسعت اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، بلکہ انسان کی شخصیت مطالعہ ہی سے مکمل ہوتی ہے، اللہ جزائے خیر دے بانیان ندوۃ العلماء کو کہ انہوں نے طلبائے دارالعلوم کے لئے مبسوط مطالعہ کا نظام بنایا، دارالعلوم میں درسیات کی پابندی کے ساتھ اسلامی علوم وفنون کی اہم کتابوں کے مطالعہ کا نظام ہے، اس کے لئے دارالمطالعہ اور دارالکتب قائم ہیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مزید آسانی کی خاطر " ماذا تقرأ " (آپ کیا پڑھیں؟) کے نام سے ایک چارٹ تیار کرایا تھا، جواب کتابچہ کی صورت میں ہر صاحب ذوق کے لئے خضر راہ ہے۔

بحمد اللہ انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم میں مطالعہ کتب کا ایک نیا انداز ہے، شخصیات کی کتابوں کو خاص کر کے ان کے مطالعہ کا نظام بنایا جاتا ہے، پھر ان کے خلاصے تیار کر کے پروگرام میں پیش کرنا ہوتا ہے، اس طرح مطالعہ کے ساتھ لکھنے اور پڑھنے کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پیش نظر کتاب حضرت مولانا سید محمد الحسنی کی تصنیفات کے تعارف پر مشتمل ہے، جس کو انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم کے طلبہ نے بزم سلیمانی کے ہفتہ واری پروگرام ۲۵/دسمبر ۲۰۲۴ء میں ناظر عام ندوۃ العلماء جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کی صدارت میں مقالات کی شکل میں پیش کیا، مقالات کی اہمیت کے پیش نظر ہم یہ مجموعہ نذر قارئین کر رہے ہیں، اس میں ایک حد تک ہمارے رفقاء نے حاصل مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مبتدی طلبہ کی ان ابتدائی کاوشوں میں تسامحات کے قوی امکانات ہیں، امید ہے کہ اہل نظر حضرات ان کو نظر انداز فرمائیں گے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو مفید و نافع بنائے اور اس کو قبولیت سے سرفراز کرے۔

محمد مزمل حسین - محمد ابواسامہ

(۱۷/۷/۱۴۴۵ھ) انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ:
حیات مستعار کے چند پہلو

محمد مزمل حسین
ناظم انجمن الاصلاح، متعلم علیا اولیٰ ادب

حضرت سید شاہ علم اللہ سادات کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں، جن کو ''حسنی حسینی'' کہا جاتا ہے، ان کا سلسلہ نسب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے، اس مبارک خاندان میں ترویج شریعت، اتباع سنت، زہد وتقوی، علم وفضل اور سنان وقلم، ہر شعبہ میں ایسی اولوالعزم اور بلند قامت شخصیتیں پیدا ہوئیں، جن سے سنت وشریعت، جہاد و قربانی اور زہد وتقوی کی شمع برابر روشن رہی، انھوں نے بدعت وعجمیت، فلسفہ زدہ تصوف اور دوسرے بیرونی واندرونی اثرات سے آزاد اور بالاتر ہوکر ہمیشہ اس طرز زندگی کا مظاہرہ کیا، جسے اسوہ نبوی سے بہت قریب اور صحابہ کرام کی زندگی سے قریب تر کہا جا سکتا ہے۔

اسی خانوادۂ فضل وکمال کے چشم وچراغ، فاتح بے تیغ وشمشیر، خداترس وخدامست، مردمجاہد، انشاء پرداز گفتار وکردار کے مجاہد غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل، بے مثال مصنف، سلیم الفکر مفکر، ٹھوس اور معقول رائے کے حامل جذبات واحساسات اور عزائم کو بیدار کرنے والے اسلوب کے مالک مولانا سید محمد الحسنیؒ تھے، جس نے ایمان ویقین، تزکیہ باطن، اصلاح معاشرہ، تبلیغ وجہاد، اخلاق وانسانیت اور علم وادب کے میدان میں وقیع ونا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں، آپ نے عالم اسلام کی دکھتی رگوں کو ٹٹولا، اور اس کے جسد بے روح میں ایک نئی روح پھونک دی، حق وصداقت کی بات ادا کرنے میں ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ دیا اور ایک چوتھائی صدی تک عربی صحافت پر چھائے رہے اور اپنی فکر انگیز تحریروں سے گہرے نقوش ثبت کرتے رہے، آپ نے مغربی تہذیب قومیت، وطنیت اور اشتراکیت

کے دلفریب نعروں پر کاری ضربیں لگائیں، انہوں نے اپنے پرزور مضامین اور طاقتور اداریوں سے دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو گرم کیا، آنکھوں کو نم کیا اور میدان عمل میں حرکت پیدا کی، وہ اپنی بعض خداداد اور وہبی خصوصیات کے لحاظ سے اللہ کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی تھے۔

نام: مولانا سید محمد الحسنی بن مولانا حکیم ڈاکٹر عبد العلی بن علامہ عبد الحی ہے۔

ولادت: ۱۷/رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے، وہ مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کے فرزند اور اپنی پانچ بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

بسملہ: بسم اللہ کی تقریب کی صورت یہ پیدا ہوئی کہ ۱۵/ستمبر ۱۹۳۸ء (۱۹/رجب ۱۳۵۷ھ) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی بغرض علاج لکھنو تشریف آوری ہوئی تو وہ ایک روز خود اپنے تقاضا سے ڈاکٹر صاحب کے گھر واقع گوئن روڈ امین آباد تشریف لائے، ڈاکٹر صاحب نے موقع غنیمت جان کر اپنے صاحبزادہ کو حضرت حکیم الامت کی خدمت میں پیش کیا، اور تسمیہ خوانی کے لیے درخواست کی چنانچہ حضرت تھانوی نے مولانا سید محمد الحسنیؒ کی بسم اللہ کرائی۔

تعلیم: مولاناؒ نے باقاعدہ مدرسی تعلیم حاصل نہیں کی، ان کے فرشتہ صفت والد ماجد مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ نے ان کے لئے خانہ ساز نصاب مقرر کیا، اسی ترتیب پر انہوں نے تعلیم پائی، ان کے انتقال کے بعد ان کے عم مکرم مولانا علی میاں مدظلہ مربی وسرپرست ہوئے، خاندانی دستور کے مطابق قرآن شریف کی تعلیم پوری کرنے کے بعد اردو فارسی کی تعلیم میں لگے، مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب نے ان کی تعلیم میں مجتہدانہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے صرف ونحو کے بغیر عربی تعلیم دینی شروع کی اور قرآن مجید سے تعلق اور شغف کو بڑھاتے ہوئے۔ اس کے ذریعہ سے عربی کی اس درجۂ لیاقت پیدا کرادی کہ وہ ۹/سال کی عمر میں ہی آیات قرآنی کو سمجھنے لگ گئے، ۱۳ یا ۱۴ سال کی عمر سے وہ عربی میں اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرنے لگے، ۱۵/سال کی عمر تھی کہ صورت وحقیقت کے موضوع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک تبلیغی اجتماع میں بڑی موثر اور بلیغ وفصیح تقریر کی، جسے انہوں نے ’’بین الصورۃ والحقیقۃ‘‘ کے عنوان سے عربی میں موثر اور طاقتور اسلوب میں پیش کردیا، جو رسالہ کی شکل میں

شائع ہوکر مقبول خاص و عام ہوئی اور آج بھی اس کی تازگی باقی ہے اور وہ اپنے افکار و خیالات کے ساتھ اپنے عم مخدوم و معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مضامین کو اگر وہ اردو میں ہوتے تو عربی میں اور عربی میں ہوتے تو اردو میں منتقل کرنے کا کام ان کے ہی اسلوب تحریر و بیان میں کرنے لگے، اردو میں کاروان مدینہ، ارکان اربعہ، نبی رحمت، جب ایمان کی بہار آئی، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جب کہ عربی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی کتاب فضائل نماز کا بھی ترجمہ کیا، جو الصلاۃ ومکانتہا فی الاسلام کے نام سے طبع ہوئی، ان کی وفات کے بعد دوسرے مشائخ وقت کی خدمت میں بھی حاضری دیتے اور ان کی توجہات حاصل کرتے، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے اصلاحی و تربیتی تعلق قائم کیا، اور بیعت ہوئے، حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھی سے تعلق رکھا، حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی کا مجموعہ کلام ’’عرفان محبت‘‘ کے نام سے عناوین قائم کر کے شائع کرایا۔

علمی وفکری خدمات:

مولانا سید محمد الحسنیؒ نے ۲۰ سال کی عمر (۱۹۵۵ء) میں مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور سید محمد اجتباء ندوی کے تعاون سے عربی رسالہ ’’البعث الاسلامی‘‘ جاری کیا، عرب قومیت جو نبوت محمدی کے خلاف کھلی بغاوت تھی اور جو عرب عیسائیوں اور ملحدوں کی پیدا کردہ تحریک تھی اس کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کی، اسی طرح عالم اسلام اور مسلمانوں پر مغرب کی جانب سے ہونے والی فکری یلغار اور دینی، ثقافتی، تہذیبی ارتداد کیخلاف قلمی جہاد کیا اور اسلامی وحدت و اخوت اور نئے سرے سے ایمان و اسلام پر اعتماد پیدا کرنے کی پرزور دعوت دی اور یہ نعرہ دیا ’’شعارنا الوحید إلی الاسلام من جدید‘‘ البعث الاسلامی کو علمی اور دینی حلقوں میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’عجمی اہل قلم نوجوانوں کی تحریروں کا ایسا شاندار اور پرتپاک استقبال الضیاء کے بعد پہلا پرچہ تھا، فرق اتنا تھا کہ الضیاء کے لکھنے والوں میں مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا

عبدالرحمٰن علامہ سید سلیمان ندوی شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی جیسے اصحاب قلم تھے اور البعث الاسلامی کے نکالنے اور چلانے والوں میں مولوی سعید الرحمٰن ندوی، مولوی اجتباء ندوی اور ان کے دوسرے رفقاء تھے، الضیاء کی سرپرستی علامہ سید سلیمان ندوی کے سپرد تھی اور البعث الاسلامی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی زیر سرپرستی میں نکلتا تھا، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ البعث الاسلامی کو الضیاء سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی''۔

۱۹۶۰ء میں نوجوانوں کی دعوتی وحدت کی خاطر ایک بین الاقوامی ادارہ الرابطۃ الاسلامیہ الدولیہ (international cultural Islamic organisation=ICIO) اس کا نام اردو میں انجمن رابطہ اسلامی رکھا گیا کی تشکیل کی، جس کا مقصد آپس میں تعارف ،ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ،مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کے کام میں تعاون ان کو صحیح مشورہ اور رہنمائی پیش کرنا تھا، انجمن رابطہ اسلامی کی سرگرمیاں عرصہ تک قائم رہی، لیکن کام کے آدمیوں کی کمی اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے افسوس کے ساتھ اس کام کو موقوف کرنا پڑا، اس کے فوراً بعد مکہ مکرمہ میں رابطۃ العالم الاسلامی کا قیام بھی عمل میں آیا۔

۱۹۶۳ء میں تعمیر حیات جاری کیا، ۱۰/نومبر ۱۹۶۳ء میں مولانا سید الحسنی کی ادارت میں ندوۃ العلماء کے ترجمان کے طور پر تعمیر حیات کا پہلا شمارہ نکلا، اس رسالہ کے اجراء کا مقصد بیان کرتے ہوئے مولانا سید محمد الحسنی لکھتے ہیں: ''تعمیر حیات کے اجرا کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ یہ بات کسی نہ کسی درجے میں حاصل ہوسکے، بہرحال مسلمانوں کو یاددلایا جاتا رہے کہ ندوۃ العلماء کس لئے وجود میں آیا، کن مخلصین اہل نظر نے اس کی بنیاد ڈالی، وہ کس بات کا داعی ہے، اس نے اس بدلتے ہوئے زمانے میں کیا تعلیم نظام اختیار کیا ہے اور اس کے کیا اسباب ہیں، اس نے کس طرح مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کی دعوت دی ہے اور اس کا اس میدان میں کیا کردار ہے اور وہ جدید تمدنی مسائل میں مسلمانوں کی کس طرح رہنمائی کرنا چاہتا ہے اور مغرب کے چیلنج کا اس کے پاس کیا جواب ہے، تعمیر حیات کے ذریعے سے مولانا سید محمد الحسنی نے ندوۃ العلماء اور اس کے دارالعلوم

کے نظام ونصب العین اور خدمات سے مسلمانوں کو روشناس کرایا۔

غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کے کام کی فکر ان کو اپنے والد ماجد مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ سے ملی تھی، ان کے عم مکرم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے اندر بھی یہ درد وفکر شروع ہی سے موجزن تھی، انہوں نے ۱۹۵۴ء یا ۵۵ء میں ہی اپنے طور پر ایسے اجتماعات کا انعقاد شروع کر دیا تھا، جس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی بھی بڑی تعداد اکٹھا ہوتی تھی، ملک کے حالات اور سنگینی کو دیکھتے ہوئے اس کام کو پھر ۱۹۷۴ء میں باقاعدہ تحریکی شکل دی گئی۔

اسی طرح مولانا سید الحسنی نے تحریک ندوۃ العلماء میں بہت بڑا کردار ادا کیا، ان کے والد تقریباً ۳۰ سال ناظم رہے، ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوا ان کے بعد ان کے فاضل بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اتفاق رائے سے ناظم مقرر ہوئے، مولانا سید محمد الحسنی پیدا ہوئے تو والد ماجد کی نظامت کے دور میں، اور انتقال کیا تو اپنے عم مکرم کی نظامت کے دوران، اپنی پوری زندگی اسی ماحول میں گزاری اس تحریک کو سنا، اس کو پڑھا، اس کو دیکھا، اس کو سمجھا اور پھر اس کی محبت اور اس سے تعلق کو اپنے دل ودماغ میں بسایا، انہوں نے اس تحریک کو عام سے عام تر کرنے کے لئے اکتوبر ۱۹۵۵ء میں البعث الاسلامی نام کا ایک عربی ماہنامہ اپنے دوستوں کی مدد سے نکالا، ۱۰/ نومبر ۱۹۶۳ء میں ایک اردو پندرہ روزہ تعمیر حیات کے نام کا پرچہ نکالا اور دونوں پرچوں کے وہ مدیر ہوئے، اور ان دونوں پرچوں کے ذریعے انہوں نے تحریک ندوۃ العلماء اور دارالعلوم کی علمی خدمات کی بڑی اشاعت کی اور اس سلسلے میں ان کا قلم بڑا رواں دواں جاری وساری رہا وہ اول تا آخر تک اس تحریک کے پرجوش داعی اور مبلغ رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے تعلیم کے ساتھ مختلف علمی، دینی میدانوں میں مفید خدمات انجام دی ہیں، ایک نفیس کتب خانہ کا قیام، تجارتی ادارہ کی تشکیل، مجلس تحقیقات شرعیہ کا قیام اور مفید ترین کتابوں کی اشاعت کا کام ان خدمات میں اولین جگہ رکھتا ہے، محمد

میاں نے ان ساری مساعی جمیلہ کا کھلے دل سے اعتراف کیا اوران کی تحسین کی۔

مولانا سید محمد الحسنی کی حیات کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب مولانا اسحاق جلیس ندوی کے مشورہ سے مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے خدا کا نام لے کر ترانہ کہنا شروع کیا، ترانہ ندوہ کا یہ مصرعہ ؎

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

مولانا سید محمد الحسنی نے ہی کہا تھا، اور دوسرا مصرع مولانا محمد ثانیؒ نے کہا:

ہم تابش دیں، ہم نور یقین، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

اس دوسرے مصرع کے کہنے کے بعد دونوں نے یہ طے کیا کہ اس شعر کو جو دو ذہنوں اور زبانوں کا اختراع ہے، ہر بند کے آخر میں رکھ دیا جائے۔ (سوانح مولانا سید محمد الحسنی: ۲۳۶)

تصنیفات و علمی کاوشیں:

تذکرہ شاہ علم اللہ: خاندان حسنی کے گل سر سید کی سیرت اوران کی خدمات کا اس کتاب میں جائزہ لیا گیا ہے یہ کتاب شاہ صاحب کی سوانح کے ساتھ اس خاندان کی خدمات کو بھی واضح کرتی ہے یہ کتاب بھی ان کی تلاش و تحقیق پر شاہد عدل ہے، ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوئی۔

کاروان مدینہ: یہ کتاب دراصل مولانا علی میاں کی عربی کتاب الطریق الی المدینہ کا شگفتہ و سلیس اردو ترجمہ ہے ترجمہ کی زبان صاف ستھری اور شنگرف ہے ترجمہ کے لفظ لفظ سے ذات رسالت ماب سے محبت و عقیدت عیاں ہے ارباب علم نے اسلوب بیان کی دل کھول کر داد دی ہے۔

جب ایمان کی باد بہاری چلی: یہ بھی مولانا علی میاں کی مقبول اہم عربی کتاب "إذا هبت ريح الإيمان" کا ترجمہ ہے اس کتاب میں سید احمد شہید کی خدمات اوران کے جہاد و تبلیغ پر روشنی ڈالی گئی ہے، ۱۳۹۳ھ میں مکتبہ فردوس شائع ہوئی۔

ارکان اربعہ: یہ مولانا محترم کی شاہکار کتاب الارکان الاربعہ کا ترجمہ ہے اس میں عبادات پر قرآن وحدیث کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے یہ ترجمہ کافی ضخیم ہے اور نقل مطابق اصل ہے۔

روداد چمن: ندوہ کے ۸۵ سال جشن کی یہ بہت ضخیم روداد ہے اس کا اسلوب بیان اتنا دلکش ہے کہ قاری اپنے آپ کو اس جشن میں شریک محسوس کرتا ہے، ندوہ کے فکر اور اس کے مقاصد کو بہت خوبصورت انداز میں سمویا ہے ندوہ کی تاریخ کی جھلکیاں بھی اس میں ملتی ہیں۔

نبی رحمت: مولانا علی میاں نے عربی میں السیر ۃ النبویۃ کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر کی جدید و قدیم ماخذ کی روشنی میں سیرت نبوی پر ایک لاجواب کتاب ہے، اس کا ترجمہ دو حصوں میں محمد میاں نے کیا ہے، ترجمہ میں ذات رسالت مآب سے شیفتگی و عقیدت سطر سطر سے عیاں ہے یہ ترجمہ ۱۳۹۸ھ میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے شائع ہو چکا ہے۔

پا جا سراغ زندگی: یہ مولانا علی میاں ندویؒ کی کچھ تقاریر کا مجموعہ ہے جس کو محمد میاں نے سلیقہ و محنت سے ترتیب دیا، اس کے علاوہ مولانا کے مختلف کتابچوں اور مضامین کے ترجمے بھی کیے ہیں۔

اردو کے علاوہ ان کی عربی کی قابل ذکر خدمات یہ ہیں:

مکانۃ الصلوۃ فی الاسلام: یہ دراصل شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی مقبول عام کتاب فضائل نماز کا عربی ترجمہ ہے اس کا اسلوب بیان بہت دلچسپ ہے۔ اور عالم عرب سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

پیام ندوۃ العلماء: جشن ندوہ کے موقع پر اردو میں روداد چمن لکھی اور عالم عرب میں ندوہ کے پیغام و مقاصد کا تعارف اس سے کرایا، اس میں تحریک ندوۃ العلماء پر بصیرت افروز مقالات کو یکجا کر دیا ہے۔

الاسلام الممتحن: یہ ان عربی مقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً البعث الاسلامی کی زینت بنتے رہے، اس فکر انگیز مجموعہ مقالات کو عالم عرب بلکہ دنیائے اسلام میں بڑی قبولیت حاصل ہوئی، نوجوان طبقہ کو خواب غفلت سے جگانے میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ **مصر تتنفس:** مصر کے حالات اور تبدیلیوں پر یہ مقالات کا مجموعہ ہے، یہ بھی البعث میں شائع ہوتے رہے۔ **الی القیادۃ العالمیۃ:** یہ بھی البعث کے اداریوں کا مجموعہ ہے جو عالمی

قائدین سے صاف صاف باتوں کی شکل میں ہے۔الغرض اردو وعربی زبان کی انہوں نے جو خدمت انجام دی ہے،اس کوفراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ندوۃ العلماء-تواجہ التحدی الکبیر: ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر یہ رسالہ دفتر اجلاس نے شائع کیا تھا،جس میں عصری مسائل میں ندوۃ العلماء کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

صور واُوضاع: البعث الاسلامی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اس عنوان کے تحت حالات حاضرہ اور واقعات عالم پر فکر خیالات وتعلیقات کے طور پر لکھے گئے۔

وفات: انہوں نے اپنی زندگی کی صرف ۴۴ بہاریں دیکھیں، جون ۱۹۷۹ء بمطابق رجب المرجب ۱۳۹۹ھ کو لکھنو میں وفات پائی اور اگلے روز آبائی وطن رائے بریلی میں روضہ حضرت سید شاہ علم اللہ میں اپنے عظیم المرتبت والد مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ان کے انتقال پر اپنا تاثر یوں بیان کرتے ہیں:

''ارجون ۱۹۷۹ء کو وہ عظیم حادثہ پیش آیا،جس نے دل ودماغ واعصاب اور ایک چھوٹے سے گھرانہ کی محدود زندگی ہی کو نہیں، میری تمام فکری علمی اور دعوتی زندگی، کام کے منصوبوں اور مستقبل کے خوابوں کو زیروزبر کر کے رکھ دیا، یہ میرے صحیح معنی میں چشم وچراغ محمد الحسنی عرف محمد میاں کی وفات کا حادثہ تھا، میرے ان کے درمیان فکر وذوق، مزاج وطبیعت خیالات وافکار، شان تحریر وخط، اسلوب تحریر میں اتنی مماثلت ومشابہت تھی جس کا زیادہ سے زیادہ ہستیوں میں سے کم سے کم میں نے مشاہدہ کیا''۔

آپ کا نکاح سیدہ زکیہ بنت سید حسن مثنیٰ سے ہوا،مولانا سید محمد الحسنی کی وفات کے چودہ برس کے بعد ان کی وفات ارشوال ۱۴۱۳ھ کو ہوئی،انہوں نے اپنی یادگار میں تین بیٹے چھوڑے، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا سید عمار عبدالعلی حسنی ندوی، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء ۔

اردو تصنیفات

قرآن آپ سے مخاطب ہے

شائق ظفر
عالیہ ثالثہ شریعہ (ج)

یہ کتاب مولانا سید محمد الحسنیؒ کی تالیف ہے جو ایک محقق، مدبر، رمز شناس، بالغ نظر، صاحب بصیرت، نباض فطرت تھے، وہ خانوادہ شاہ علم اللہ کے گوہر شب چراغ تھے، جنھوں نے اپنے زور مضامین اور طاقتور اداریوں سے سرد انگیٹھیوں کو گرم کیا، آنکھوں کو نم کیا اور میدان عمل میں حرکت پیدا کی اور اس امت کے لئے ایک بڑا علمی سرمایہ چھوڑ گئے، جس کو محبین و مخلصین نے مرتب کر کے افادۂ عام کی غرض سے شائع کیا۔

زیر نظر کتاب ''قرآن آپ سے مخاطب ہے'' مولانا کے ان مضامین کا مجموعہ ہے ، جو اسی عنوان سے قسط وار ماہنامہ رضوان لکھنؤ میں شائع ہوئے تھے، انہیں مضامین کو بعد میں مولانا کے خلف الرشید مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) نے شائع کیا، یہ کتاب ۱۰۰ ر صفحات اور ۲۷ ر عناوین پر مشتمل ہے، یہ کتاب اپنے مضامین اور عناوین کے اعتبار سے بہت جامع اور ہمہ گیر ہے۔

مختصراً کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اپنے مقصد و ہدف کے لحاظ سے جو انسانی معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے اس کی سب سے بنیادی اکائی معاشرہ کے ہر فرد کی وہ مکمل ایمانی زندگی ہے، جس کی صفات قرآن مجید کی متعدد آیات میں بیان کی گئی ہے، کسی بھی معاشرہ کو اسلامی اقدار و اصول پر کھڑا کرنے کے لئے اساس یہ ہے کہ اس میں رہنے والے افراد ایمان و اسلام کے مزاج و طبیعت سے پوری طرح ہم آہنگ ہوں۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے انہیں بنیادی اصول و تعلیمات پر گفتگو کی ہے، اس کتاب کے اندر بہت اہم مضامین ہیں، جن میں سب سے زیادہ اہم عقیدۂ توحید و رسالت

ہے، جس کے بغیر انسان نہ تو مؤمن ہوسکتا ہے اور نہ ہی اسلامی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، اسی طرح دیگر موضوعات ہیں، جیسے آخرت سے غفلت، متاع قلیل، قرآن مجید کا اعتدال و توازن اور اس کے نتائج، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، علماء کی پہچان، تقوی کیا ہے، اولیاء کی صفات، نفس مطمئنہ، اطمینان قلب کی دولت، نیک کاموں میں تعاون، اپنے گھر کی فکر کیجیے، جیسے موضوعات ہیں، انہیں موضوعات میں سے ایک موضوع، اطمینان قلب کی دولت سے ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

> ''عہد رسالت کی پوری سوسائٹی اس نعمت سے سرفراز کی گئی تھی، سب لوگ اپنے مالک کو یاد کررہے تھے، اور اس پر بھروسہ کرتے تھے، یہ ایک نسخہ کیمیا ہے، آج بھی جس کا جی چاہے، اس کا تجربہ کرلے، یہ نسخہ نسخۂ شفاء ثابت ہوگا، جو بھی بے قرار ہو، خواہ وہ بے قراری کسی بھی قسم کی ہو، اس دوا کا استعمال کرلے یعنی اللہ کا نام لے، اس کو یاد کرے، اس کا ذکر کرے، اس سے لو لگائے، اس پر بھروسہ کرے، اور جو مانگے اسی سے مانگے، تو اللہ اس عمل سے اس کی ہر طرح کی بے قراری اور بے چینی دور کردے گا، اس پر صدیوں تجربہ کیا گیا اور سو فیصدی کامیاب رہا ہے، اور کیوں نہ کامیاب ہو، جس نے ہم کو اور آپ کو پیدا کیا، وہی یہ نسخہ بتا رہا ہے، اور اس کے سو فیصدی فائدہ کی ضمانت لے رہا ہے۔'' (صفحہ:۷۵)

مجموعی طور پر ان تمام مضامین میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے بہترین اصول بتائے گئے ہیں، جس سے انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کا قلع قمع کرکے ایک صاف ستھرے، پرامن اور خوشحال معاشرہ کو وجود میں لایا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب قاری کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوسکتی ہے، اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہے۔

انسانیت آج بھی اُسی در کی محتاج ہے

محمد عمران انصاری
عالیہ ثانیہ شریعہ

پیش نظر کتاب کا نام ''انسانیت آج بھی اُسی در کی محتاج ہے''، کتاب کے مؤلف مولانا سید محمد الحسنیؒ ہیں، یہ کتاب ۴۸ رصفحات پر مشتمل ہے ،اس کتاب میں چھ (۶) مضامین ہیں اوران کے عناوین حسب ذیل ہیں :(۱) انسانیت آج بھی اُس در کی محتاج ہے (۲) سیرت محمدی کا اعجاز (۳) سیرت کا پیغام (۴) سیرت محمدی اوراس کے تقاضے (۵) حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق (۶) فاتح مکہ

پہلے مضمون کا عنوان ہے: ''انسانیت آج بھی اس در کی محتاج ہے''، اس دنیا میں بہت سے آدمی پیدا ہوئے، کسی نے ملک کو فتح کیا، کسی نے اپنے وطن کو آزاد کرایا اور بام عروج تک پہونچایا، اس فہرست میں بڑے بڑے فلسفی سائنسدان، مصلح اور ریفارمر ،سیاست دان اور لیڈر اور ادیب وہ شاعر ہیں ،لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دائرہ محدود تھا، کسی کا صرف ایک مخصوص معاشرہ اور مخصوص عہد تک، ان میں سے کسی کی زندگی ایسی نہیں تھی کہ جو ہمیشہ کے لئے اور سارے عالم کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے، اس میں ہر فرد کے لیے رہنمائی اور ہدایت کا سامان ہو اور وہ ہر زمانے میں قابل عمل ہو۔

اگر کوئی اچھا فاتح تھا تو علم سے اس کا دامن پاک نہ تھا، اگر کوئی اچھا مصلح اور معلم اخلاق تھا تو قائدانہ صلاحیت اور اخلاقی جرأت سے محروم تھا، اگر فلسفی تھا تو اخلاق سے بے بہرہ اور انصاف سے دور، روحانیت کا دلدادہ تھا، عملی زندگی سے نا آشنا اور دنیا کے نشیب و فراز سے بے خبر، اس کے برخلاف حضور اکرم ﷺ کی پاک زندگی کے مطالعہ سے ہم کو دو چیزیں خاص طور سے نظر آتی ہیں:

ایک یہ عام اجتماعی دائرے سے لے کر زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے گوشے تک اس میں ہر چیز کے لئے رہنمائی موجود ہے اور رہنمائی بھی ایسی جو قیامت تک کے لئے کافی ہے، دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی بتائی جاتی ہے، لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے زیادہ سے زیادہ ۲۵/دن کے حالات ملتے ہیں اور وہ بھی جستہ جستہ نامکمل تشنہ اور محتاج تصدیق، یہی حال دوسرے مذاہب یا جدید معاشی نظریات وافکار کا بھی ہے۔

اس کے بالمقابل حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں حیران کن طریقہ پر ہمیں ہر چھوٹے بڑے معاملے کے ایسی واضح مکمل اور مفصل ہدایات نظر آتی ہے کہ اس کی کوئی ظاہری اور مادی توجیہ نہیں ہوسکتی اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری نبوت ہے اور دنیا کے آئندہ تاریخ کے لئے اس کے سوا اب کوئی روشنی نہیں، جس کی مثال تاریخ کے کسی اور زمانے میں اور دنیا کے کسی اور مذہب کے ماننے والوں میں نہیں ملتی، یہ اسوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے لئے تھا کہ ایک ایسے مطیع اور فرمانبردار بندہ کی طرح زندگی گزاری جائے جو اپنے مالک حقیقی کا وفادار ہو، اس کا چاہنے والا ہو اور اس سے ڈرنے والا ہو، اس کی رحمت پر اس کو کامل اعتماد ہو اور اس کے عذاب کا پورا خوف ہو اور جب قیامت میں اپنے رب سے ملے تو سرخرو نفس مطمئنہ کے ساتھ، اس لئے کہ ان کی تعلیمات وہدایات اور آپ کا اسوہ حسنہ خود آپ کی سب سے بڑی دلیل ہے، یہ صرف ایک مضمون کا خلاصہ تھا، ان کے علاوہ پانچ مضامین اسی طرح علمی اصلاحی اور تربیتی انداز میں اختیار کیا گیا ہے۔

کتاب پر عرض ناشر مؤلف کے چھوٹے صاحبزادے مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) نے لکھا ہے کہ عرصہ سے خیال تھا کہ ان کے وہ مضامین جو سیرت نبوی وعلی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے متعلق ہیں یکجا کر کے شائع کئے جائیں، اگرچہ یہ مضامین زیادہ نہیں، مگر جو ہیں وہ بڑے مؤثر اور طاقتور ہیں، اگر دیکھا جائے تو یہ مجموعہ بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے، واضح رہے کہ یہ کتاب محمد الحسنی ٹرسٹ رائے بریلی سے ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی اور عوام وخاص کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ

اسرارالحق فیاضی بن ابوفیاض

عالیہ ثانیہ شریعہ

پیش نظر کتاب کا نام سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری ہے، جن کے مصنف مولانا سید محمد الحسنیؒ ہیں، یہ کتاب ۴۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ندوۃ العلماء کی تاریخ میں حصہ اول کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے ساتھ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی اصلاحی وتبلیغی دعوت وتعلیمی تاریخ اور فتنوں کے مقابلے کی تاریخ کا ایک باب بھی ہے، جو ۱۳۸۳ھ ۱۹۲۳ء میں مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جو خود اس موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ رکھتے تھے اور منصوبہ تیار کر چکے تھے، لیکن اچانک مولانا کو معلوم ہوا کہ مولانا سید محمد الحسنی اپنے ذوق وشوق سے یہ خدمت انجام دے چکے ہیں۔

اس کتاب میں مؤلف نے سات ابواب قائم کئے ہیں: باب اول میں مولانا محمد علی مونگیری کے خاندان، ابتدائی حالات، درس وتدریس، علمی وتحقیقی ذوق کا تذکرہ ہے، سلسلہ نسب سید محمد علی بن عبدالعلی بن سید غوث بن سید راحت علی سے لے کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے، یہ پورا خاندان شروع سے آخر تک صراط مستقیم پر گامزن رہا، ولادت ۳/شعبان ۱۲۶۲ھ ۲۸/ جولائی ۱۸۶۴ء کو کانپور میں ہوئی، والد ماجد کے انتقال کے بعد ابتدائی تعلیم جد امجد سید شاہ غوث علی کے ساتھ حاصل کی، بیشتر کتاب مولانا لطف اللہ سے پڑھی، باب دوم میں ردعیسائیت کا تذکرہ ہے، اس میں مولانا نے لکھا ہے کہ: ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کی ابتداء ۱۸۱۳ء میں ہوئی، جب کہ ولبر فورس ممبر آف پارلیمنٹ کی کوشش سے ہاؤس کامنس میں اس مضمون کا بل پاس ہوا کہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے لئے اگر پادری جانا چاہیں تو انہیں اجازت ہے، اس بل کا پاس ہونا ہی تھا کہ یورپ وامریکہ کے عیسائی انجمنوں کی طرف سے خاصی تعداد میں پادری وفود کی شکل میں آئے۔

مولانا سید محمد علی مونگیری نے ردعیسائیت کے لئے ۱۲۸۹ھ میں کانپور سے ایک اخبار

منشور محمدی جاری کیا، مولانا اپنی کتاب آئینہ اسلام میں لکھتے ہیں: اخبار منشور محمدی میں اکثر مضمون چھپے ہیں، لیکن کسی پادری اور منشی نے ان کے جواب الجواب میں قلم نہیں اٹھایا۔

باب سوم میں تحریک ندوۃ العلماء اور اس کا پس منظر اور باب چہارم میں ندوۃ العلماء کا قیام اور مولانا کا دور نظامت وترقی کا تذکرہ ہے، ندوۃ العلماء کا قیام ۱۸۹۲ء میں ہوا اور دار العلوم ندوۃ العلماء کا قیام ۱۸۹۸ء میں ہوا، اسی طرح باپ پنجم میں قادیانیت کے مقابلے کا تذکرہ ہے ،جب قادیانی مسلمانوں کو مرتد بنانے میں لگے تھے، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے قادیانیت کے خلاف سو سے زائد کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ،جن میں ۴۰/کتابیں طبع ہوئیں اور بقیہ دوسرے کے نام سے، ہندوستان میں جس جگہ حضرت مولانا کی تصنیفات اور مبلغین پہنچے تو قادیانیت کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمان نئے فتنے کے دین سے بچ گئے اور دین کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی، ہزاروں مسلمان اس فتنے سے محفوظ ہو گئے، اسی طرح باب ششم میں سلوک وارشاد ،اصلاحِ معاشرہ، تعلق باللہ اور اس کی اہمیت وغیرہ کا تذکرہ ہے، حضرت مولانا یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کا مطالبہ یہ نہیں کہ دین کو ترک کر دیا جائے، بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ اس کی اصلاح کر کے اس کو آخرت کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔

باب ہفتم میں آخری ایام زندگی وفات کا تذکرہ ہے، حضرت نے ندوہ کو کسی وقت فراموش نہیں کیا اور رفقائے ندوہ سے خط وکتابت کا سلسلہ برابر قائم رہا، وفات ۶/ربیع الثانی سہ شنبہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء کو زوال آفتاب کے قریب ایسا محسوس ہوا کہ یہ آفتاب رشد وہدایت عنقریب غروب ہونے والا ہے، ظہر کی نماز کے بعد ۲/بجے دن اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی، اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: یہ کتاب جامع بھی ہے، موثر بھی ہے، دل آویز بھی ہے، وہ نہ صرف ایک برگزیدہ شخصیت کے سوانح بلکہ ایک عظیم تحریک کی تاریخ بھی ہے، ایک معاشرے کی تصویر بھی ہے اور ایک پورے دور کی عکاسی بھی ماضی کی سرگشت بھی ہے، مستقبل کا وہ خواب بھی جو خدا کے ایک برگزیدہ بندے نے دیکھا تھا اور جس کی تعمیر پورے طور پر ابھی ظاہر نہیں ہوئی اور یہ اس عظیم ادارے کے فرزندوں اور ذمہ داروں کا فرض ہے کہ اس خواب کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

روداد چمن

عبداللہ انصاری
عالیہ رابعہ شریعہ

مولانا سید محمد الحسنیؒ کی کتاب روداد چمن ۳۱۷/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ندوۃ العلماء کے ۸۵/سالہ جشن تعلیمی ۱۹۷۵ء کو مفصل طور پر بیان کیا ہے، جسے مولانا نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے زیر نگرانی مرتب کیا۔

یوں تو ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں کا آغاز ندوہ کے سن قیام ۱۸۹۴ء میں ہی ہو گیا تھا، ۱۹۲۷ء کے اجلاس منعقدہ امرتسر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد مختلف وجوہات کی بنا پر اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا، ندوۃ العلماء کے یہ جلسے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اور بڑے منظّم طریقے پر ہوتے تھے، وہ نہ عام مجالس وعظ کی طرح ہوتے تھے، نہ جدید کانفرنسوں کی طرح اس میں اسلامی و مشرقی تہذیب کے حسن و جمال کے ساتھ جدید تہذیب کے مفید اور صالح ذرائع اور وسائل بھی نظر آتے ہیں، اپنے مخصوص طرز کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام طبقوں کے لوگ یکساں دلچسپی لے رہے تھے، علماء، وکلا، بیرسٹر، اخبار نویس، ادیب، تاجر، طلباء اور اساتذہ اس میں دوش بدوش حصہ لیتے تھے اور یہ ندوۃ العلماء کی ایک بڑی کامیابی تھی۔

۳۱/اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ٹھیک ساڑھے نو بجے اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی، اس وقت پورا پنڈال حاضرین سے کھچا کھچ بھر چکا تھا، شرکائے جلسہ کی تعداد ۲۰ یا ۲۵/ہزار تک تھی، جمعہ کی نماز تک یہ تعداد بڑھ کر ۵۰/ہزار تک پہنچ گئی، اجلاس کے اناؤنسر مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ تھے اور اجلاس کی کاروائی سنبھالنے کی ذمہ داری انہی پر تھی اور جلسہ کی صدارت شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کو تفویض کی گئی۔

اب بنام خدا جلسہ کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت سے ہوا،اور اس کے بعد دارالعلوم کے منتخب طلباء نے ترانہ ندوہ پیش کیا،اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی جانب سے خطبہ استقبالیہ پیش کیا گیا، پھر اگلے تین دنوں تک جلسے کا سلسلہ جاری رہا، اجلاس میں شریک بیرونی مندوبین کی تعداد ا۷ر تھی جو دنیا کے مختلف گوشوں سے تشریف لائے تھے ،جیسے مصر سے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، متحدہ عرب امارات سے شیخ احمد عبدالعزیز آل مبارک، قطر سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی، سعودی عرب سے شیخ یوسف الفوزان وغیرہ اور بھی دنیا کے مختلف گوشوں سے علماء کرام تشریف لائے ،ہمارے ہندوستان سے بھی کبار علماء تشریف لائے تھے۔

تین نومبر کو آخر میں حضرت مولانا شاہ منت اللہ رحمانی کی تقریر ہوئی اور دعا پر ندوۃ العلماء کا یہ ۸۵ر سالہ جشن تعلیمی ختم ہوا۔مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ مولانا محمد الحسنیؒ کی تعریف میں لکھتے ہیں: انہوں نے گویا الفاظ میں ریکارڈ نگ کا کام کیا کہ پڑھنے والے کو دل کی دھڑکنیں، ذہن کے اندیشے، انبساط کی کیفیت بھی محسوس ہو، اللہ اس کتاب کی جامعیت کو عوام الناس میں عام فرمائے۔

فتح وکامرانی کی شرط اولیں

فتح وکامرانی کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ محاذ پر کھڑے لشکر کو قائد اور لیڈر اور جنرل، معاصی کے ارتکاب اور محرمات سے دور رکھیں، جس طرح ظہیر الدین بابر نے کیا تھا۔ اپنی تمام تر توجہات وکوششوں کے ذریعہ لشکر کے فتح وکامرانی کے منافی چیزوں سے پاک کر دیں، چاہے وہ واضح اخلاقی گناہ ہو یا عملی زندگی میں ہو یا عقیدہ وفکر کے میدان میں یا تشکیک و الحاد وگمراہی ہو۔ (مولانا سید محمد الحسنیؒ)

پیام ندوۃ العلماء

محمد نعمان
عالیہ ثالثہ شریعہ

کتاب کا نام پیام ندوۃ العلماء ہے۔اس کتاب میں ندوۃ العلماء کے بنیادی اور حقیقی مقاصد اور اس کا تاریخی پس منظر، امتیازی خصوصیات، اور عہد حاضر میں اس کی اہمیت وضرورت کا مختصر جائزہ وتعارف پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب ۱۴۳ر صفحات پر مشتمل ہے ،اور کتاب کے مصنف سابق بانی مدیر البعث الاسلامی حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ ہیں۔ یہ مجموعہ جن مضامین پر مشتمل ہے،اس میں زیادہ تر تعمیر حیات کے وہ افتتاحی مقالے ہیں، جو اس کے ابتدائی سالوں میں لکھے گئے، کچھ اہم حصے سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سے لئے گئے ہیں،تاکہ تحریک ندوۃ العلماء کا تاریخی پس منظر نگاہوں کے سامنے آجائے ،دو ایک مضامین کا نیا اضافہ کیا گیا ہے۔

جنگ آزادی ہند۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں میں مایوسی عام تھی، مسلمانوں کو پسپائی سے نکال کر بلندی تک لے جانے کے لئے دو عظیم،لیکن ایک دوسرے کی متضاد تحریکیں وجود میں آچکی تھی : ایک دیوبند کی تحریک، دوسری علی گڑھ کی تحریک، لیکن ان دونوں تحریکوں میں اتنی دوری اور اتنا تضاد تھا کہ یہ خود مسلمانوں کے لئے بہت بڑا مسئلہ بن چکا تھا۔ مسلمان دو گروہوں جدت پسند اور قدامت پسند میں تقسیم ہو چکے تھے، علی گڑھ جدیدیت کو اختیار کرنے اور ہر قدیم فکر سے دستبردار ہونے کا داعی تھا، قدیم وجدید کی اس تقسیم کے علاوہ اور ایک خطرناک فرقہ بندی مسلمانوں میں پوری طرح پھیلی ہوئی تھی ،وہ فرقہ بندی بھی تقلید اور عدم تقلید کی ،آمین رفع یدین اور قرأت خلف الامام کے مسائل کی بنیاد پر خون خرابہ،طعن وتشنیع اور فرقہ پرستی عام تھی،سینکڑوں سال پرانے مسائل پر روزا ایسے

دسیوں مناظرے ہوتے تھے، جن کا حکم کوئی غیر مسلم ہوتا تھا تیسری طرف تعظیم اولیاء، فاتحہ خوانی، صلاۃ وسلام جیسے معمولی مسائل پر ایک دوسرے کو کافر کہنے کی ناپسندیدہ روش زوروں پر تھی، غرض یہ کہ مسلمانان ہند بے شمار خطرناک مسائل میں الجھے ہوئے تھے، ان مسائل کو سلجھانے کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو علوم شریعہ پر مجتہدانہ نگاہ رکھتا ہو، اور زمانے کی ضروریات کا بھی مکمل احساس رکھتا ہو، ایسے وقت میں ندوۃ العلماء کا قیام ۱۸۹۲ء میں عمل میں آیا، ندوۃ العلماء کو مختلف میدانوں میں اپنی گریز پا کامیابیوں اور ناقابل فراموش اور گراں قدر خدمات کے باوجود ایک تصویر سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، جس میں ابھی پورے طور پر رنگ بھرنا باقی ہے، اور جس میں اس کا اصل حسن و جمال اور جوہر پوشیدہ ہے۔ اور جو کسی ایسے صاحب دل اور صاحب عزیمت کی منتظر ہے جو بڑھ کر اس کے نقاب کو ہٹا دے اور اس کے ہر شریک بزم کو اس کا محرم راز اور دمساز بنا دے۔

ندوۃ العلماء کے بنیادی اور حقیقی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں: (۱) ترقی و تعلیم (۲) طریقہ تعلیم کی اصلاح (۳) رفع نزاع باہمی (۴) درستی اخلاق (۵) مسلمانوں کی بہبودی عام (۶) دنیا کے حالات سے واقفیت۔ وغیرہ وغیرہ۔ ندوۃ العلماء کا مقصد شروع سے یہی رہا ہے کہ وہ زندگی سے کنارہ کش ہونے کے بجائے زندگی کی رہنمائی کرے، فرزندوں سے حالات کا مطالبہ ہے کہ وہ اس عالمگیر طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمت باندھ لیں اور ندوہ کے اس قدیم اور زریں دور کی یاد اپنے قول و عمل سے پھر تازہ کر دیں، جس نے ایک بار ہندوستان کے طول وعرض میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اور اس کو فکر و عمل تعلیم و تربیت کے میدان میں ایک نئے اور عہد آفریں تجربہ سے آشنا کیا تھا۔

تذکرہ شاہ علم اللہ حسنیؒ

نورالاسلام

عالیہ ثالثہ شریعہ

مولانا سید محمد الحسنیؒ کی گرانقدر تصنیفات میں ایک عمدہ اور گراں قدر تصنیف تذکرہ شاہ علم اللہ حسنی ہے، وہ ایک مایہ ناز کتاب اور علمی وادبی دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔اس میں مصنف نے حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کی حیات وخدمات اوران کے اولادواحفادوخلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔جو پہلی مرتبہ مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنو سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی،اوراس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی،اور یہ کتاب ۱۶۸رصفحات پر مشتمل ہےاوراس میں سات ابواب ذکر کئے گئے۔

باب اول شاہ علم اللہؒ کے خاندان اوران کے خاندان کے اہم شخصیتوں کے بیان میں ہے،حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ سادات کے اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے۔ان کا سلسلہ نسب سید حسن مثنی فرزند حضرت حسنیؒ تک پہنچتا ہےاوران کے خاندان میں ترویج شریعت پیروی سنت زہدوتقوی علم وفضل اور سنان وقلم ہر شعبہ میں ایسی اولوا العزم اور بلند قامت شخصیتیں پیدا ہوئیں،جن سے سنت وشریعت، جہادوقربانی اور زہدوتقوی کی شمع برابر روشن رہی اور ایسی طرز زندگی کا مظاہرہ کیا، جسے اسوہ نبوی سے بہت قریب اور صحابہ کرام کی زندگی سے قریب تر کہا جاسکتا ہے۔

باب دوم میں ولادت، بچپن نصیر آباد کا قیام،سفر ہجرت کا تذکرہ کیا گیا ہے،سید شاہ علم اللہ حسنیؒ کی پیدائش ۱۲رربیع الاول ۱۰۳۳ھ کو ہوئی، بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ماموں نے پرورش کی، چچازاد بھائی سید احمد نے دینی علوم کی تعلیم دی، ہوش سنبھالا تو ماموں نے لشکر شاہی میں بلا کر ملازمت دی ،مگر شاہ علم اللہؒ دنیا طلبی سے شروع ہی سے دلبرداشتہ تھے،اس لئے لشکر شاہی چھوڑ کر مشہور طریقت حضرت آدم بنوریؒ کی خدمت میں جا پہنچے اوران سے بیعت ہوئے،اس کے بعد اپنے وطن نصیر آباد واپس آئے۔

باب سوم میں نصیر آباد سے رائے بریلی دائرہ کا قیام سفر حج وغیرہ کے سلسلے میں روشنی

ڈالی گئی، سید شاہ علم اللہؒ پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کا جذبہ بہت طاری تھا، اسی لئے اپنے اہل وعیال کو لے کر ہجرت کا ارادہ کر کے رائے بریلی پہنچے، لیکن ایک خدا رسیدہ بزرگ کے منع کرنے کی وجہ سے رائے بریلی میں قیام کرنے پر راضی ہو گئے اور ۱۰۷۵ھ میں پہلا فریضہ حج ادا کیا، پھر دوسرا حج تقریباً ۱۰۸۲ھ میں کیا اور وہاں سے لوٹنے کے بعد ندی کے کنارے مسجد کی تعمیر کی۔

باب چہارم اتباع سنت اور عزیمت کے بیان میں ہے، سید شاہ علم اللہؒ کی سیرت کا جلی عنوان اتباع سنت اور عزیمت ہے، خواجہ محمد امین بدخشیؒ نتائج الحرمین میں شاہ صاحب کے بارے میں عبدالحکیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن کمال اتباع سنت سے آراستہ اور تمام اوقات سنن و مستحبات سے معمور تھے، ہندوستان اور عرب میں ان کے تقوی اور استقامت کی شہرت تھی، ان کا عمل ہمیشہ عزیمت پر ہوتا تھا۔

باب پنجم اس باب میں ان کے چند ارشادات وملفوظات بیان کئے گئے ہیں، جو اتباع سنت معرفت و ولایت صفائی باطن صبر کی حقیقت محبت کے درجات اور اس قسم کے دوسرے مضامین پر مشتمل ہے۔

باب ششم اس باب میں ان کے خلفاء واہل ارادت کے احوال وسوانح صفات و کمالات کا مختصر طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ سچی طلب انسان کو کن کن ناقص منزلوں اور نادیدہ دنیا تک لے جاتی ہے اور تلخی کے چند گھونٹ اس کے لئے حقیقی لذت و راحت کے کیسے کیسے سامان فراہم کرتے ہیں۔

باب ہفتم سید شاہ علم اللہ کے اولاد واحفاد کے تذکرے کے لئے مخصوص ہے، سید شاہ علم اللہؒ کی نسبت باطنی کے سب سے بڑے وارث اور امین اور ان کے صوری ومعنوی جانشین ان کے نامور اور باکمال فرزند تھے، سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا عکس دیکھنا ہو تو ان کے اولاد و احفاد کو سراپا دیکھنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ کتاب مولانا کے سوانح حیات و اولاد و خلفاء کے تفصیلی تذکرے ان سب کی خدمات اور اہم تصنیفات کے ذکر پر مشتمل ہے، جس میں طالبان علوم نبوت کے لئے معلومات کا ایک ذخیرہ موجود ہے، جس سے انسان اپنے اندر وہ جوہر پیدا کر سکتا ہے جو پوری امت مسلمہ کے لیے خیر کا ذریعہ بنے۔

جادۂ فکر وعمل

فیصل اقبال

عالیہ رابعہ شریعہ

جادۂ فکر وعمل مولانا سید محمد الحسنیؒ کی وہ کتاب ہے، جس میں ان کے دعوتی، اصلاحی اور تربیتی موضوعات پر لکھے گئے مقالات ومضامین جمع کیے گئے ہیں۔

یہ مضامین تعمیر حیات میں شائع ہوئے، ان میں مولاناؒ نے فکر وعمل کی راہیں کھولی ہیں اور زمانہ کے فتنوں کو بے نقاب کر کے، ان سے اپنا دامن بچانے کی تدبیریں بیان فرمائی ہیں، ان میں ان کے دل کا سوز وگداز بھی ہے اور ان کی فکر ونظر کی رعنائی بھی اور پھر ان کے زورِ قلم نے اس میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور پیدا کر دیا ہے۔

مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اپنی عمر کی صرف ۴۴ بہاریں دیکھیں، مگر اس مختصر مدت عمل میں انہوں نے اپنے قلم سے عالم اسلام کی رہنمائی کی، وہ اپنی عربی تحریروں میں عرب کے ممتاز ادباء اور داعیوں میں شمار کئے جاتے ہیں، قومیت عربیہ کے فتنہ کو بے نقاب کرنے میں انہوں نے جو کردار ادا کیا تھا اس کا عالم عربی نے پورا اعتراف کیا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے اردو ترجمان تعمیر حیات کا آغاز بھی انہی کی ادارت میں ہوا، اس میں انہوں نے ایسے طاقتور اداریئے لکھے، جن کی تازگی آج بھی اسی طرح محسوس ہوتی ہے، مولانا کے مضامین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ زمانے کے امراض کی نشاندہی کرتے ہیں اور دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہیں، مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور صحیح اسلامی معاشرہ کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

یہ کتاب ۱۳۷ر صفحات اور ۲۵ر مضامین پر مشتمل ہے، اس کتاب کے نمایاں مضامین کے عناوین حسب ذیل ہیں: مادیت سے روحانیت کی طرف، جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح

زمانہ،محبت کا پیغام عصر حاضر کے نام،ماحول کے دھندلکوں میں ہمارا راستہ کردار کیسے پیدا کیا جائے،موجودہ حالات اور مسلمانوں کی نازک ذمہ داری اور اسلام کا معیار تہذیب۔

پیش نظر سطور میں آخر الذکر مضمون (اسلام کا معیار تہذیب) کی تلخیص نظر قارئین ہے:

تہذیب کے متعلق لوگوں کے مختلف خیالات ونظریات ہیں،اس لئے ہمیں جاننا چاہیے کہ اسلام کا معیار تہذیب کیا ہے؟

تہذیب کا حال تو یہ ہے کہ ایک چیز ایک خاندان میں معیوب دوسرے میں مستحسن اور تیسرے میں مباح ہے،مشرق میں تہذیب کا معیار دوسرا ہے،مغرب میں دوسرا معیار حسن کا بھی،یہی حال ہے افریقہ کے حبشی منگولیا کے چینی جاپانی اور یورپ کے سفید فارم باشندے سب حسن کے متعلق الگ زاویہ نگاہ رکھتے ہیں،ایسی صورت میں یہ کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ تہذیب ایک واحد شے ہے،جو ہر جگہ ایک معیار اور ایک سطح رکھتی ہے،تہذیب کی ساری قیمت مقصد کے دامن سے وابستہ ہے مثلاً اسلام کے نزدیک اگر کوئی شخص خائن، بدکردار،بے ضمیر اور بے اصول ہے تو وہ اپنے سارے ظاہری آداب وشائستگی خوش کلامی و خوش وضعی اپنے سارے علم و ہنر اور حسن معاشرت کے باوجود غیر مہذب ہے،یہ ایک ایسا اصل الاصول ہے جس کو سامنے رکھ کر ہم اسلام کے معیار تہذیب کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

جدید مادہ پرستانہ تہذیب یہ کہتی ہے کہ فسق و فجور انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے اور ایسے اشخاص سے بے تکلف تعلقات قائم کئے جاسکتے ہیں،لیکن اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر حکومت کے باغی سے ربط وضبط جرم ہے تو خدا کے باغی سے صلح ومودت کس طرح درست وجائز ہے۔

کھانے کے برتن صاف کرنا،انگلیاں صاف کرنا،مسواک کرنا یہ وہ باتیں ہیں جو جدید مغربی معاشرت کے لیے ناقابل برداشت ہیں،لیکن اسلام کے نزدیک تہذیب انسانی کا سرچشمہ حکم خدا اور اسوہ رسول ہے نہ کہ ہمارے خودساختہ نظریات جدید دنیا میں

خودغرضی وخود پرستی کا نام تہذیب ہے اور اسلام میں ایثار و بغرضی اور خود شکنی کا یہ وہ بنیادی نقطہ اختلاف ہے جو اسلام کے معیار تہذیب کو موجودہ وگزشتہ تمام خودساختہ معیاروں سے بالکل جدا کر دیتا ہے، تہذیب کسی ایسی چیز کا نام نہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ بلاکم و کاست منتقل کی جاسکتی ہو، اس کو انسانوں کے بنائے ہوئے مفروضات اور خدا کے مقرر کردہ اصولوں کے درمیان تلاش کرنا چاہئے، اگر وہ خدا کے بتائے ہوئے اصول اور اسوہ رسول کے ماتحت ہوتو تہذیب ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتو اپنے سارے دعووں فلسفوں تحریکوں اور کتب خانوں کے باوجود بدتہذیبی ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون۔

حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں، پھر اس کو چھوڑ کر کہاں پھرے جاتے ہو، اسی طرح دیگر مضامین میں بھی مولاناؒ نے مادیت پرستی کو واضح کیا ہے اور اس سے نکلنے کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

نفاذ شریعت

ہم نفاذ شریعت میں صرف چور کا ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے ہی کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس کے اسباب ومحرکات کے سدباب کا بھی مطالبہ کرتے ہیں، شرعی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ ہم حکمرانوں سے کرتے ہیں، عام راہ پر چلتے ہوئے آدمیوں سے کرتے ہیں، نگہبان اور رعیت کے تمام گوشوں میں نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور زندگی کے تمام میدانوں میں باہم مربوط اور مضبوط کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(مولانا سید محمد الحسنیؒ)

عربی تصنیفات

الإسلام الممتحن

محمد عامر سہرساوی
عالیہ ثالثہ شریعہ

یہ کتاب ان علمی، فکری مضامین پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً صاحب کتاب کے قلم سے نکلے ہیں اور ندوۃ العلماء کے عربی ترجمان ماہنامہ البعث الاسلامی میں بطور افتتاحیہ شائع ہوئے اور علمی وعمومی فائدے کے لئے ان کو کتابی صورت میں یکجا کردیا گیا ہے، اس کا مقدمہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے قلم سے ہے، جس میں مولانا لکھتے ہیں:

"هذه المقالات تدعوا الى التأمل العميق، و تغذى الفكرة، وتفتح آفاقا جديدة للفكر الاسلامى، وتزود العاملين فى مجال الدعوة و الفكرة الاسلامية ببعض معلومات جديدة، و وثائق وحقائق عن الحضارة الغربية، والفلسفات المادية۔"

العالم الإسلامي على مفترق الطرق اس کتاب کا پہلا مقالہ ہے، اس کے بعد اسلام المسالمین (صلح پسندوں کا اسلام) اور آخری مضمون "حسن البناء فی محراب التاریخ الاسلامی" کے نام سے ہے۔

بطور مثال چند مضامین کا خلاصہ پیش نظر ہے:

العالم الإسلامی علی مفترق الطرق (عالم اسلام چوراہے پر)، یہ مقالہ اس وقت لکھا گیا جب کہ عالم اسلام پرخطر مراحل سے گزر رہا تھا، اس کے باوجود اس میں اتنی طاقت وقوت تھی کہ وہ سیاسی دنیا میں ایک اہم کردار ادا کرسکے اور اپنے مقصد اصلی پر احتیاط سے گامزن ہوسکے، کیونکہ اس وقت عالم اسلام اعلی ترین صلاحیتوں کا مالک تھا اور

دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ آج انسانی معاشرہ یورپ سے ناامید ہوگیا ہے، کیونکہ اس کی ہوا نکل گئی ہے، دینی کام بھی ذاتی مفاد کی خاطر کرتا ہے، اس کا چور و غاصب ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، ان تمام باتوں کے باوجود بھی امت اسلامیہ قیادت و سیادت سے مایوس ہو کر بیٹھ جائے تو بڑی شرمندگی کی بات ہوگی، کیونکہ اس کے پاس خدائی تعلیم، ہدایات رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے، جن ہدایات وتعلیمات سے لوگوں کو غلامی ومحکومی کی ذلت آمیز زنجیروں سے نکالا جاسکتا ہے اور ایک نئی زندگی دی جاسکتی ہے۔

اس کتاب میں اسلامی فکر کی افضلیت کو ثابت کیا گیا ہے اور اسلامی طرز پر اٹھنے والے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا گیا ہے، اس میں متکلمانہ رنگ نمایاں ہے، مادیت و اشتراکیت کے پرخچے اڑائے گئے ہیں، یورپ کی اندھی تقلید پر نقطہ چینی کی گئی ہے، جدت پسندی ومغربیت پسندی کی نکیر کی گئی ہے، انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے اور حیوانیت و بہیمیت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، عالم اسلام کو مغربی غلامی کے خطرے سے چوکنا کیا گیا ہے اور امت اسلامیہ کے سروں پر جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اس بارگراں کو اٹھانے کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو سختی سے تاکید کی گئی ہے اس کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، اور امت مسلمہ کے فرزندوں وجیالوں کے سینے میں ایمان کی حرارت اور ان کے نسوں میں شرر اسلامی پھونکنے کی کوشش بے بہا کی گئی ہے، غرض ہر طرح سے امت اسلامیہ کے دماغوں میں اور عالم اسلام کی حفاظت میں کوئی نہ کوئی تدابیر اپنائی گئی ہے۔

کتاب کا موضوع گرچہ اسلامی فکر کو نمایاں کرنا ہی تھا، لیکن بیک وقت یہ کتاب کئی موضوعات کی جامع تھی، اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے، غرض اسلامیات کے متعلق متنوع باتیں آگئی ہیں، یہ کتاب بے شک قیمت مواد کی حامل ہے، ہر سطر میں ایک نئی معلومات ہے، اصول تحریر نہایت عمدہ، شستہ اور سلیس ہے، قاری کو اکتاہٹ نہیں ہوگی، یہ کتاب اپنے اندر کشش رکھتی ہے، جیسے جیسے پڑھتا گیا اسی میں ڈوبتا چلا گیا۔

کبھی آنکھ کتاب میں گم ہے　　　کبھی گم ہے کتاب آنکھوں میں

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد جیسا کہ مصنف نے خود بیان کیا ہے کہ:

"وقد كتب فى أدق فترة وأحرجها فى تاريخ هذه الأمة الحديث انعكاسا لهذه الحوادث ودراسة لهذه الأوضاع ، وتفسيرا لهذه التطورات التى شهدتها أرض نيل. لاسيما اذا أخذت هذه الحوادث و التطورات بوجه خاص قسطا كبيرا من وقت الكاتب وقلمه."

مصنفؒ عالم اسلام کے احوال پر بہت متفکر تھے، عالم اسلام کو جن چیلنجز کا سامنا تھا ،اس سے مصنفؒ کا دل رنجیدہ ہوتا جاتا تھا، اسی سے متأثر ہوکر مصنف نے ان تحریروں کو اپنے قلم سے ضبط کیا ہے، یہ کتاب ادبی خزانوں سے آراستہ ہے، اس کی عبارتوں کی شیرینی کا ادبیت میں اپنا مقام ہے، ہر جملہ ادبی لحاظ سے مستند ہے اور ربط وانتظام کے اصول ملحوظ خاطر ہیں۔

چند ادبی جملے نذر قارئین ہیں: (١) اننا نغرس أشواكا ، وننتظر أزهارا، نغرس فى نفوس الناشئة الضغائن والأحقاد ، ثم نرجوا منهم أن يكونوا اخواننا متحابين۔ (٢) وسرى ذلك الايمان فى أصحابهم مسرى الروح فى الجسم والكهرباء كالاسلاك ۔(٣)ان القمر الاصطناعى يفضينا الى سر خطير من أسرار التاريخ ، ويشكو عن لغز كبير من ألغاز الحياة۔

اس کتاب کی عبارتیں تھوڑی مشکل ضرور تھی، لیکن توفیق خداوندی سے جب کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو تمام پریشانیاں اور الجھنیں دور ہوگئیں اور ظاہری ومعنوی فوائد حاصل ہوئے۔

أضواء على الطريق

شیخ مختار

عالیہ رابعہ شریعہ

مولانا سید محمد الحسنیؒ ایک باکمال عربی اردو کے مصنف، مترجم تھے، دونوں زبانوں میں ان کے قلم سے شاہکار کتابیں اور تحریریں، اور ترجمے سامنے آئے، اردو کتابوں میں سیرت مولانا محمد علی مونگیری، تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی، روداد چمن وغیرہ اور اردو ترجمہ میں ارکان اربعہ، کاروان مدینہ، طوفان سے ساحل تک نمونہ کی کتابیں ہیں۔ عربی تصنیفات میں الاسلام الممتحن، الی القیادۃ العالمیۃ، مصر تتنفس اور أضواء علی الطریق ہیں، ذیل میں ہم اسی آخری کتاب (أضواء علی الطریق) پر ایک مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔

یہ کتاب ان وقیع عربی مضامین پر مشتمل ہے، جو مولانا سید محمد الحسنیؒ کے قلم اعجاز رقم سے سپرد قرطاس ہوئے اور ندوۃ العلماء کے عالمی ثقافتی وادبی ترجمان جریدہ الرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

یہ مضامین صاحب تحریر کے دلِ شکستہ اور زخم خوردہ احساسات کے ترجمان ہیں، ان تحریروں میں راہ گیروں کے لئے توشۂ سفر اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے سامان ہدایت ہے، یہ ایک طرف بھولے بھٹکے نفوس کو نور ہدایت سے منور کرتی ہے تو دوسری طرف الحاد و مادیت پرستی کے جال میں پھنسے ہوئے انسانوں کو منحرف مغربی افکار ونظریات کی مرعوبیت وغلامی کے طوق سے نجات دلاتی ہے اور اسلام کی صحیح تعلیمات ونظریات سے واقف کراتی ہے، اس کا ہر لفظ کامل ومکمل اسلام کی دعوت دیتا ہوا نظر آتا ہے، صاحب تحریر نے اس میں افراط وتفریط سے اجتناب کرتے ہوئے موجودہ نوجوان طبقے میں سابقہ استقامت، بلند ہمتی، خوداعتمادی، اولوالعزمی، اور بلند اسلامی اقدار پر افتخار واعتزاز کے جذبے کو دوبارہ پروان چڑھانے کی کامیاب سعی کی ہے، جو مضبوط طرز فکر اور عمدہ اسلوب نگارش سے آراستہ وپیراستہ ہیں۔

کتاب کی ابتدا مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے پر زور وطاقتور مقدمہ سے کی گئی ہے، پھر صاحب کتاب کے مختصر حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے، تقریباً ساٹھ سے زائد متنوع عناوین پر مشتمل یہ مضامین ایک ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں، اس کتاب کے اہم مضامین بتدریج ذیل میں ہم نقل کر رہے ہیں:

(۱) ایمان واسلام حقیقت وواقعیت (۲) ایمان کی چاشنی وحلاوت (۳) راہ اسلام اوراس کی فطرت وطبیعت (۴) کلام الٰہی اور ہماری عملی زندگی کے درمیان تضاد (۵) اینٹ سے زیادہ بنیاد پر توجہ مرکوز رکھنے کی ضرورت (۶) نئے ہجری سال کی آمد اوراس کا پیغام (۷) صلاح واصلاح کے درمیان فرق (۸) اصلاح کی شروعات کہاں سے ہو؟ (۹) وقت نکلنے سے قبل مقصد و ہدف کی تعیین ناگزیر (۱۰) انسانی نفوس کے عجائب ولطائف (۱۱) تقدیر الٰہی یا تقدیر نفس؟ (۱۲) ایک افضل ترین معاشرے کی تعمیر وتشکیل (۱۳) پاکیزہ وشفاف دنیا (۱۴) اپنے نفس کا محاسبہ کیجیے (۱۵) زندگی کے نشیب وفراز کے درمیان (۱۶) آج اور کل کے درمیان کا فاصلہ (۱۷) ہم وہمی اور قیاسی مشکلات کے شکار ہیں (۱۸) جہاد کا مناسب ترین وقت (۱۹) نئی تہذیب اور ہماری ذمہ داریاں (۲۰) میدان حیات اور صبح جہاں (۲۱) اندرونی اصلاح وقت کی سب سے اہم ضرورت (۲۲) موت وحیات کی وادی میں (۲۳) خودغرضی ومفاد پرستی کا دور دورہ (۲۴) امت مسلمہ کو دینی رہنمائی کی ضرورت (۲۵) اسلامی مزاج اور ذوق پیدا کریں! (۲۶) ''نہ'' کے بجائے ''ہاں'' کہیے۔ (۲۷) حیات انسانی اور واقعہ اسراء ومعراج، یہ وہ اہم وقیع ترین مضامین ہیں، جن سے یہ کتاب مزین وآراستہ ہے، گویا بکھرے ہوئے لعل وگوہر کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔

ان مضامین کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ قاری کو اقدام عمل پر ابھارتے ہیں، اس کے فکر کو جھنجھوڑتے ہیں، قلب وذہن کو متحرک وبیدار کرتے ہیں، دلوں کے اندر امید کی کرن جگاتی ہیں اور فکر وتدبر کی قدرت پیدا کرتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے اس کا طرز واسلوب ہر طبیعت ومزاج کی موافقت کرتا ہے۔

مع الحقيقة

محمد ثاقب
عالیہ رابعہ شریعہ

مولانا سید محمد الحسنیؒ کی کتاب مع الحقیقة ۲۲۷؍صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ۳۳؍مضامین ہیں، جو مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں، یہ مضامین الرائد اور البعث الاسلامی میں شائع ہو چکے تھے، ان میں صاحب کتاب نے اپنے جذبات اور غمزدہ دل کا اظہار کیا ہے، جس سے مسافروں کے لئے زادسفر، پریشان حال افراد کے لئے رہنمائی اور گمراہ لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان اور جو مادیت کی گمراہی میں بھٹکتے اور مغرب کی نفاست اور خوشحالی کی تقلید کرتے ہیں اور اس کی تقلید میں فخر محسوس کرتے ہیں، اس کتاب میں ان کے لئے بھرپور مواد اور اعلی افکار ہیں۔

جو حضرات اسلام کی واضح حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں، اور تہذیب یافتہ فلسفوں اور نظریات کے دلدادہ ہیں، اور ان کے دلوں میں اسلام کے تعلق سے جو شکوک وشبہات ہیں یہ کتاب ان تمام باتوں کو دور کرتی ہے، اس کتاب کا پہلا مضمون جس کا نام الإسلام بين لا و نعم (اسلام نہیں اور ہاں کے درمیان) ہے، ان مضامین میں ہمیں بتایا گیا کہ اسلام نے ہم کو کیا دیا ہے اور ہم کیا تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد ہم کیا ہو گئے، آج مغرب میں اسلام کو کیا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح اس کتاب میں کچھ مضامین جیسے مستشفيات إسلامية (اسلامی ہسپتال) صانع التاريخ وليس من صنع التاريخ (تاریخ بنانے والا نہ کہ تاریخ کا حصہ) موضوع خطير لم ينل حقه من العناية (ایک سنگین مسئلہ جس پر توجہ نہیں دی گئی)، أمانه القلم خانها اهلها فى هذا الزمان (اس زمانے میں اہل قلم نے قلم کی امانت میں خیانت کی) ألا، إن الخطر

يعيش في داخلكم فلا تلوموا إلا أنفسكم (خطرہ آپ کے اندر رہتا ہے اس لئے آپ کے علاوہ آپ کا قصوروار کوئی نہیں)، اس قیمتی کتاب کے موضوعات میں زندگی کے بارے میں مستند نقطۂ نظر کا مکمل یقین ملے گا جس کا اسلام تمام انسانی معاشرے میں مطالبہ کرتا ہے، ہم اپنے علماء کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ان موضوعات کو جمع کیا اور ایک شاندار کتاب کی شکل میں شائع کیا۔

اس کتاب پر عرض ناشر مؤلف کے بڑے صاحب زادے مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''ہمارے لئے خوشی ومسرت کی بات ہے کہ ہم عظیم اسلامی قلم کار، بانی البعث الاسلامی والد گرامی مولانا سید محمد الحسنی کے مقالات کا مجموعہ پیش کر رہے ہیں، یہ مقالات برجستہ اور بے تکلف اسلوب میں لکھے گئے ہیں، ان میں درد والم بھی ہے، اور رنج وغم بھی، اور زخمی جذبات کا اظہار بھی ہے، یہ مقالات راہ حق کے مسافروں کے لئے زادراہ ہیں، اور حیران وپریشان لوگوں کے لئے اطمینان کا سامان ہیں، اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانے کا ذریعہ ہیں، آج دنیا مغربی تہذیب کی پرستار ہے، اور اس کی نقل و پیروی کو ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے، وہ حق کو ناحق، اور درست کو نادرست سمجھتی ہے۔

ان مقالات کا مطالعہ جہاں ایک طرف اسلام کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتا ہے، وہیں دوسری طرف نوجوانوں کو اسلام پر قائم رہنے اور استقامت اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے، اور اپنی قدروں کی حفاظت کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اور ان کو علمی، فکری، اصلاحی اور دینی غذا فراہم کرتا ہے''۔ (عرض ناشر)

کتاب کے شروع میں مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی کے قلم سے تحریر کردہ مقدمہ ہے،، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نے ان کے انتقال پر جو مضمون لکھا تھا، وہ بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔

المنهج الإسلامي السليم

مرزا معاویہ
عالیہ رابعہ شریعہ

"المنہج الإسلام السلیم" مولانا سید محمد الحسنیؒ کے مقالات کا مجموعہ ہے، اس کتاب میں کل ۱۲۶/صفحات ہیں، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ایماء پر مولانا سید محمد الحسنیؒ کے مقالات جو البعث الاسلامی اور الرائد کے مختلف شماروں میں چھپے تھے ان کو جمع کر کے شائع کیا گیا۔ جن کے اندر فکری وحدت اور گہرا نفسیاتی شعور ہے۔ جوامت اسلامیہ اور فکری مدرسوں، جامعات اور دوسرے علمی وسائل و ذرائع کے لیے مناسب حال اور مشعل راہ ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے:

صاحب مقالہ نے ان مقالوں میں ان چیزوں کو بیان کیا ہے اور ان باتوں کو لکھا ہے جو جذبات و احساسات کو بھڑکانے والے ہیں اور جو اسلامی طبیعت سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ انحراف وتحریف کے اثر وآمیزش سے بھی دور ہیں اور جب کوئی مجموعہ ایسا ہو تو ہم اسے "المنہج الإسلامی السلیم" کا نام دے سکتے ہیں۔

مولانا سید محمد الحسنیؒ ایک نامور علمی دینی خاندان میں ۱۷/رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، ان کے والد مولانا ڈاکٹر سید ابوالعلی حسنیؒ ندوۃ العلماء کے ناظم تھے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ودارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تھے وہ بھی ندوۃ العلماء کے ناظم ہوئے اور عالمی شہرت یافتہ عالم دین، داعی، مفکر و مصلح کی حیثیت سے معروف ہوئے، مولانا سید محمد الحسنیؒ کو ان کی پوری سرپرستی شروع سے آخر تک حاصل رہی اور ان کی پوری سرپرستی میں ماہنامہ "البعث الاسلامی" ۱۹۵۵ء میں اور پھر اردو میں پندرہ روزہ "تعمیر حیات" ۱۹۶۲ء میں جاری کیا، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مدظلہ العالی) "البعث الاسلامی

''اور ''تعمیر حیات'' کے کاموں میں ان کے ساتھ شروع سے معاون رہے۔

مولانا سید محمد الحسنیؒ کے ان مقالوں کو پڑھنے کے بعد مولانا کی کتابت وتحریر میں مہارت اور درس وتدریس میں عمق وگہرائی اور عقل کی پختگی ظاہر ہوتی ہے، اور اس چیز کے گواہ اس چھوٹے سے مجموعے میں جمع شدہ مقالات ہیں۔

مولانا نے اپنے ایک مقالے میں جس کا عنوان "جيلنا الجديد في حاجة إلى إيمان جديد" ہے، کہتے ہیں: ''اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم مغرب کا مقابلہ مغربی تعلیمات اور مغربی تہذیب وثقافت کے ذریعے کر سکتے ہیں اور ان کے فکر وفلسفے کی آڑ میں ہم ان سے لڑ سکتے ہیں، تو یہ ہمارا وہم وخیال ہے اور ایک ناممکن بات ہے ہم مغربی تہذیب پر حملہ آور ہونے ان کا مقابلہ کرنے اور ان پر غالب آنے میں صرف ایمان کے ذریعے سے کامیاب ہو سکتے ہیں، جس ایمان سے مغرب کے ہاتھ خالی ہیں اور یہی وہ واحد ذریعہ اور ایسا ہتھیارِ محض ہے جس سے ہم تاریخ کی تصحیح کرنے اور انسانوں کے نظریے کو بدلنے اور ایک گناہ گار اور خیانت دار قوم سے قیادت و حکومت کو لے کر ایک امن وسلامتی والی قوم کو سونپ سکتے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم مغرب کے فکر وفلسفہ کی عبودیت اور ان کے تابع ثقافت سے آزاد ہو جائیں تو ہمیں نیا تعلیمی وتربیتی منہج پیش کرنا ہوگا اور ایک نئے اسلوب پر اس کو ڈھالنا ہوگا جو ہماری نئی نسل کو حق کا مددگار اور باطل کا مٹانے والا بنائے اور اللہ پر ایمان رکھنے والا اور اس کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرنے والا بنائے اور مال ودولت اور جاہ ومنصب سے روپوش اور کنارہ کش کر دے، تب جا کر ہمارا تعلیمی وتربیتی نظام اپنی انتہا کو پہنچے گا اور اپنے ہدف اصلی کو پالے گا اور ایک نئی اسلامی نسل وجود میں آئے گی جس کی ضرورت صرف ممالک اسلامیہ ہی کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو ہے''۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب مکتبہ اسلامیہ کا ایک قیمتی سرمایہ ہے، جس کی ضرورت ہر ہوشمند اور باشعور مومن نسل کو ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کے کتب خانہ مکتبہ دعوۃ الاسلامی میں ایک مفید اضافہ ہے۔ جس مکتبہ کے رکن صاحب مقالات مولانا سید محمد الحسنی بھی ہیں، میں دعا گو ہوں کہ اس کتاب کو عالم عربی کے مکتبہ اسلامی میں بھی وہ مقام حاصل ہو جس مقام ومرتبہ کی یہ کتاب مستحق ہے۔

الإسلام بین لا و نعم

عبیداللہ معاذ
عالیہ رابعہ شریعہ (الف)

یہ معرکۃ الآراء مضمون دل آویز، دلفریب مضمون شہرہ آفاق کتاب ''مع الحقیقۃ'' سے ماخوذ ہے، یہ کتاب ۲۲۷رصفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۳۳رمضامین ہیں جو وقتاً فوقتاً ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' میں شائع کیے جاتے رہے، مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اس کتاب میں اپنے جھلکتے جذبات واحساسات اور غمزدہ دل کا اظہار کیا ہے، اس کتاب میں ہر شخص کے لیے بھرپور مواد اور اعلیٰ تصورات ہیں، جو اسلام کی واضح حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں اور جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے اسلام کے بارے میں جو شکوک وشبہات ہیں، ان کو دور کرتے ہیں، اسی طرح اس کتاب کے مضامین میں سے ایک مضمون ''الإسلام بین لا و نعم'' ہے، اس مضمون کے اندر اسلام کے تین طبقات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

پہلا طبقہ وہ ہے جو اسلام کو اپنی زندگی اور اپنے دل و دماغ سے بالکل فراموش کر چکا ہے، اس کے بعد دوسرا طبقہ وہ ہے جو کبھی کبھی اسلام کے بتائے ہوئے قوانین پر مختلف مواقع پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے، اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو اسلام کو اپنی زندگی کے اندر پورے طور پر نافذ ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں میں چاہے سیاست ہو، اسکول ہو، مدرسہ ہو، یونیورسٹیاں ہوں، ان تمام جگہوں پر اسلام کو پورے طور پر نافذ کیا جائے۔

جہاں تک پہلے طبقے کی بات ہے تو یہ وہ طبقہ ہے جن کی تعداد روز بروز بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے اور ان کا یہ دعوی ہے کہ اسلام کو عدالتوں، پارلمینٹوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں سے پورے طور پر باہر پھینک دیا جائے اور مکمل طور پر انہیں آزادی دے دی

جائے ،جس طرح چاہیں جیسے چاہیں اپنی زندگی بسر کریں ،اوران کا یہ ماننا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دینا یہ گویا کہ ایک بہیمیت ہے اور سود کی حرمت کے فتوے لگانا یہ محال اور ناممکن ہے، اسی طرح سے زنا کی سزا دینا یہ کسی عذاب سے کم نہیں ہے، اسی طرح سے کافروں اور دشمنان اسلام کی مشابہت اختیار کرنے پر حرمت کا اعلان کرنا یہ بھی ایک بیکار اور لاحاصل شئ ہے، اور فسق و فجور کے اڈوں کو بند نہیں کیا جا سکتا ہے، اس وجہ سے ان چیزوں کو ختم کرنے کا اقدام بے وقوفی ہے،خلاصہ کلام یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو مسجدوں ،دینی اداروں اور دانش گاہوں میں محصور کر دیا ہے۔

جہاں تک دوسرے طبقے کی بات ہے تو انہوں نے اسلام کو بالکل بازیچۂ اطفال ہی بناڈالا ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک رسمی اور موروثی چیز کا نام ہے اور ہمارے آباواجداد اسلام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے،لہذا ہم بھی کبھی کبھی اسلام کی طرف عظمت واحترام سے دیکھتے ہیں ،گویا انہوں نے اسلام کو اس کھوسٹ بڈھے کی طرح سمجھ لیا ہے، جس کو انتہائی تاریک ، بند، محدود اور چھوٹے کمرے میں چھوڑ دیا جائے، اور کبھی کبھی خاص موقع پر اس کی خدمت کی جائے ،جیسے کہ رمضان کے دنوں میں افطار اور سحری کا انتظام کر دیا جائے ،اور عید الفطر کے موقع پر مٹھائیاں دے دی جائیں،اور عید کی مناسبت سے نئے کپڑے دے دیئے جائیں۔

رہی بات تیسرے طبقے کی تو یہ وہ طبقہ ہے جو ہمیشہ ہر دور اور ہر موڑ پر اس بات کی کوشش کرتا رہا ہے کہ اسلام کو ہر جگہ نافذ کیا جائے، چاہے عدالت ہو یا اسکول ہو، اقتصادیات ہو یا سیاسیات ہو،تمام شعبہائے زندگی میں نافذ کیا جائے ،اور جنہوں نے بھی یہ مژدہ سنایا ان کے خلاف کاروائیاں کی گئی ،ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے ،انہیں جیلوں میں ٹھونسا گیا ،،توپوں کے دہانوں اور بندوق کے سایوں میں اپنی جان گنوانی پڑی ، اہل و عیال سے جدا ہونا پڑا اور ان کے گھروں کو ویران وتاراج کر دیا گیا،ان کے دینی مرکزوں پر تالے ڈال دیئے گئے اور طرح طرح سے ان کو تکلیفیں اذیتیں اور پریشانیاں دی گئیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں

شعار عقیدہ پر زور و اصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیائے کرام ایک معین عقیدہ کی دعوت دیتے رہے اور ان کا مطالبہ کرتے رہے۔

اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دستبرداری پر تیار نہ ہوئے اور اسلام اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ انسان ہر حالت میں چاہے خوشی ہو یا غم، مصیبت ہو یا تکلیف، میدان جنگ میں ہو یا میدان علم و عمل میں، سفر میں ہو یا حضر میں، اس کا دامن نہ چھوڑا جائے، چاہے دوست کا معاملہ ہو یا دشمن کا، اپنے کا ہو یا غیر کا، ہر حال میں عدل وانصاف کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔

ایک خوشگوار اور کامیاب معاشرے کے لئے امن واطمینان انتہائی ضروری ہے، ورنہ اس کے بغیر زندگی کا سکون اور معاشرتی راحت حاصل نہیں ہوسکتی، اسی لئے اسلام نے انسانوں کو ہر شعبہ زندگی میں امن قائم کرنے اور عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے، امن کا مطالبہ صرف میدان جنگ تک محدود نہیں ہے، بلکہ انسان کے انفرادی، معاشرتی، مذہبی واخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے وسیع مفہوم کو سمیٹے ہوئے ہے۔

اسلام کے ان پیغامات کے بغیر انسان ترقی نہیں کرسکتا، لیکن افسوس صد افسوس کہ آج لوگوں نے اسلام کو مسجدوں، دینی اداروں یہاں تک کہ قرآن سے بھی باہر نکال پھینکا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، لیکن ان کا باطن اسلام سے بالکل عاری ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ظاہر و باطن، خوشی وغم، خوشحالی وتنگدستی، خویش و اقارب، دوست واحباب سب کے ساتھ یکساں معاملہ کریں اور اس بات کی پوری کوشش کریں کہ زندگی کے کسی بھی دوڑ اور کسی بھی موڑ پر اسلام کا دامن نہ چھوٹنے پائے، چاہے جسم کے چیتھڑے اڑا دیے جائیں، توپوں کے دہانے اور بندوقوں کے سائے میں جان دینے کی باری آجائے تو پھر ایک سیکنڈ کے لئے بھی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

همسات إلى جزيرة العرب

ظہیرالدین

عالیہ ثالثہ شریعہ

زیر نظر کتابچہ (جزیرہ عرب سے سرگوشیاں)، ایک مضمون ہے، جسے حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ نے ۱۹۶۸ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلنے والے عربی ماہنامہ البعث الاسلامی کے لئے لکھا تھا، جس کو کتابچہ کی شکل میں دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا گیا ہے، جس میں جزیرہ عرب کی عالم اسلام میں اہمیت اور اس کے تقاضوں اور عربوں کی ذمّہ داریوں کو یاد دلایا گیا ہے، اور اس تضاد پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے، جو جزیرۃ العرب کے معاشرے میں پایا جارہا ہے۔ سطور ذیل میں اس کتابچہ کے مواد کی تلخیص پیش ہے:

اس میں پہلی اہم بات جو مولاناؒ نے بیان کی ہے، وہ جزیرۂ عرب کی اہمیت ہے ، لکھتے ہیں کہ اے جزیرۂ عرب! اور آخری رسالت کا ماویٰ وملجأ! تیرے متعلق مسلمانوں کا نقطۂ نظر دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلہ میں بالکل مختلف ہے، چاہے وہ مسلمان عربی ہو یا عجمی ، کیونکہ تو ان کی نظر میں ایمان واسلام کا مضبوط قلعہ ہے، اسی طرح خیر و بھلائی اور دیانت داری کا سرچشمہ ہے، اور کیا تو جانتا ہے کہ تیری اتنی قدر ان کی نظر میں کیوں ہے؟ اور تیری طرف ان ایسے ہی لپکنا جیسا کہ پیاسے کا پانی پر اور تتلیوں کا چٹکتی ہوئی کلیوں پر کس سبب سے ہے؟ تو سن، وہ سبب اور وہ وجہ دعوتِ ابراہیم علیہ السلام اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تگ ودو کا نتیجہ ہے، جس نے تجھے ہر طرح کا تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے، اور یہ پیارا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کی وجہ سے تجھے دنیا کا وہ قابل رشک مقام ملا، جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے خطہ میں نہیں ملتی اور نہ اس مقام کو دنیا کا کوئی گوشہ چھوسکتا ہے۔

اور دنیا میں تیرے علاوہ اور بہت سے مقام وعلاقے موجود تھے جو اپنی خوبصورتی

اور قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال تھے، لیکن حکمت الٰہی نے تجھے یہ مرتبہ ومقام عطا کیا، مثلاً: کشمیر کے پہاڑ، دریائے نیل کے کنارے، اور میدان مراکش، اور دمشق کے غوطے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تیرے در کا بھکاری بنایا، تا کہ وہ تیرے ٹکڑوں پر پلیں، اور تیری فضیلت کے منکر نہ ہوں۔

جزیرۂ عرب کے معاشرے میں پھیلے ہوئے فساد پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے مولاناؒ لکھتے ہیں کہ اے جزیرۂ عرب! اس جاہ مرتبہ اور عظمت و برتری کے باوجود میں تجھے مغرب سے مانگتے ہوئے پاتا ہوں، تیرا ہر معاملہ مغرب کے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے، تیرا کاروبار مغرب کے حکم سے چلتا ہے، اور اے جزیرہ عرب! میں تجھے مغرب کی حمایت، اور اس کی پیروی کرتے ہوئے پاتا ہوں، جس مغرب نے اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت کو پیروں تلے روند ڈالا اور اس کے تقدس کو پامال کیا، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تو اس کا بائیکاٹ کرتا، نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور اس کے تقدس کی خاطر پوری جانفشانی سے کام لیتا، اسے سینہ سے لگائے رکھتا، خاص طور سے اس ضلالت وگمراہی کے دور میں جہاں ہر طرف فتنہ وفساد برپا ہے، لیکن تیرے نوجوانوں کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وہ لہو ولعب اور تعیش پرستی میں مگن ہیں، اور ان سب اعمال کے ذریعے تو اپنی اس پرانی تہذیب کو جو کہ زمانہ جاہلیت میں تھی جلد از جلد حاصل کرنا چاہتا ہے، جس میں سراسر ندامت ہی ندامت ہے۔

عرب کی ذمّہ داریوں کو یاد دلاتے ہوئے مولاناؒ نے لکھا ہے کہ اے جزیرۂ عرب! تیرا مقابلہ اس وقت ایک ایسے دشمن سے ہے جس کی ضمیر نے ایک عرصہ دراز سے لے کر آج تک تیرے خلاف سازش ومکاری کی ہے، ایک ایسا دشمن جو قوت وطاقت کے نشہ میں مقدس مقامات کی توہین کرتا ہے، ان پر حملے کرتا ہے، مدینہ اور خیبر کی حرص رکھتا ہے، اس کے مقابلے میں تیرا ردعمل ایک بہادر شجاعت کے پیکر سپاہی کی طرح ہونا چاہیے نہ کہ خاتونِ خانہ کی طرح، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تو اپنے ملک

اور اس کے افراد کو تبدیل نہ کردے، اسی طرح جب تک تیرے محلات و منڈیاں اور بلند مکان نیز شہر اور وادیاں سب کے سب مل کر ایک فوجی کا رول ادا نہ کردیں، اور یہ بغیر ایک ماہر قائد اور سپہ سالار کے ممکن نہیں ہے۔

اے جزیرۂ عرب! تو وہ قوم ہے جو مہمان نوازی کے لئے مہمان کو دیکھ کر مارے خوشی جھوم اٹھتی تھی، سفر جہاد کے لئے ہر وقت مستعد، جنگ کی پیاسی، شہادت کی طلبگار، لیکن آج تیرے نوجوانوں کی حالت یہ ہوگئی کہ کلبوں اور سینما گھروں کے مجاور بنے بیٹھے ہیں، سن اے جزیرۂ عرب! تو وہ قوم ہے جو ہر حال، ہر مکان میں کھلم کھلا ایمان و اسلام کا پرچم لہرایا کرتی ہے، چاہے وہ جگہ مقامی ہو یا بین الاقوامی، سیاسی ہو یا مذہبی، جب کہ دوسری اسلامی ممالک کو شرمندگی محسوس ہوتی ہے، تو حق گوئی اور طاقت وفخر کا ایک ایسا اثر ہے، جسے دنیائے تاریخ ہمیشہ حمد وثنا کے ساتھ یاد کرتی ہے،

لہٰذا اٹھ، پھر ایک بار دنیا کی قیادت وسیادت کے منصب پر فائز ہو کر اس امت کی بھنور میں پھنسی کشتی کو ساحل پر لے آ، تمہیں پھر ایک بار وہی چھٹی صدی عیسوی والا رول ادا کرنا ہوگا، کیونکہ ملت اسلامیہ اور پوری انسانیت نے تیرے آغوش میں بڑی ہی خوشحال اور پرسکون زندگی گزاری ہے، اے جزیرۂ عرب! تیرے ساتھ اس سرگوشی کو میں نے اپنا دینی فریضہ سمجھا، اگر کچھ غلط کہہ دیا ہو تو معاف کرنا۔

میری اور پوری امت مسلمہ کی جانب سے تجھے سلام۔

"تناقض" تحار فيه العيون و"تطابق" يسر به المؤمنون

سعید نسیم
عالیہ رابعہ شریعہ

یہ کتاب مولانا سید محمد الحسنیؒ کے مشہور فکری اور ادبی مقالات میں سے ایک ہے، اور یہ دو مقالات کا جامع مرقع ہے، جو ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے، اولاً دارِعرفات رائے بریلی سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مقدمہ کے ساتھ، پھر "العالم الإسلامی بین التبعیة والذاتیة" کے عنوان سے المختار الإسلامی قاہرۃ سے شائع ہوئی، "سؤال حائر یحتاج إلی جواب" یہ آپؒ کا پہلا مقالہ ہے جو "البعث الإسلامي" میں شائع ہونے کے اعتبار سے یہ آپ کا آخری مضمون ہے۔

"تناقض" تحار فيه العيون:

یہ آپؒ کا ایسا مضمون ہے، جس میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور ابلتا نظر آتا ہے، جس کا نمونہ آپ کا یہ عنوان ہی کافی ہے، جس میں آپ نے اہلِ عرب اور مسلمانوں کی زندگی میں جو تضاد دیکھا، اس پر اعضاء حکومت اور اہل دانش کی تنقید کی ہے، جس کا آپ نے کچھ اس طرح خاکہ کھینچا ہے کہ اس تضاد نے ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں ہمارے علماء وزعماء، ہمارے بوڑھے اور نوجوانوں میں زہریلے جراثیم چھوڑ دئے ہیں، بلکہ پورا عالمِ اسلام اس کی زد میں آ گیا ہے گویا کہ وہ ایک امرِ واقعہ بن گیا ہے، جس سے فرار دشوار اور جس کو بیاں کرنا وضاحت سے خالی نہیں ہے، اس نے ماں باپ، بھائی بہن کے مابین قباحت وخباثت کی پھوٹ ڈال دی اور حیف کی بات تو یہ ہے کہ کچھ ممالک میں تو یہ تضاد اتنی زیادہ اہمیت کا حامل ہو گیا ہے کہ جس سے یہ اعتبار کیا جانے لگا کہ گویا یہی اسلام کا پہاڑ

ہے اور یہی دین کا قلعہ ہے، لیکن بقیہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں تو یہ تضاد اپنی بہت ہی بری شکل وصورت اختیار کر چکا ہے، اس کی مرکزیت عالمِ اسلام میں اسی طرح ہے، جیسے انسانی جسم میں قلب کی مرکزیت ہوتی ہے اور یہی تلخ حقیقت ہے جس کے نتیجہ میں جزیرۃ العرب میں دو طرح کے بحران رونما ہوئے: (۱) عقائدی بحران (۲) حضاری بحران، جس کے ازالہ کے لئے اولاً تناقض ثقافی کا ازالہ بے حد ناگزیر ہے، لہٰذا اسلام کا جدید انقلاب ہی ایسا ہے جو رسماً وشعباً اس تضاد کا صفایا کر سکتا ہے جس کی آج سب سے زیادہ احتیاج ہے، یہ مضمون رجب ۱۳۹۹ھ مطابق جولائی ۱۹۷۹ء میں آپ کے رسالہ "البعث" کے شمارہ میں "سؤال حائر يحتاج إلى جواب" کے عنوان سے شائع ہوا۔

آپ کی وفات پر ملال کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جب آپ کا یہ مضمون پڑھا تو فرمایا کہ میں نے یہ مضمون ان کی حیات ہی میں کیوں نہ پڑھا تھا، اگر میں ان کی حیات میں یہ مضمون پڑھ لیتا تو ان کا ہاتھ چومتا اور پیشانی کو بوسہ دیتا۔

مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے مولانا سید محمد الحسنی کے صاحبزادہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی سے اس کا ترجمہ کرا کے ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں شائع کیا۔

"تطابق" يسر به المؤمنون :

یہ آپؒ کا آخری مقالہ ہے، اور زندگی کا بھی سب سے آخری مقالہ ہے جو "الرائد" میں شائع ہوا تھا اور اس کا عنوان بھی یہی تھا، جس میں آپ نے "البعث الإسلامي" کو "جامعة البعث الإسلامي" کا تصور دیا ہے کہ یہ فقط "البعث الاسلامی" مجلّہ ہی نہیں، بلکہ مدرسہ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ جامعہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے بارے میں آپؒ کہتے ہیں کہ میں اس میں بحیثیت ایک طالب علم کے تعلیم حاصل کرتا ہوں اور درجہ کی پابندی بھی کرتا ہوں، آپؒ ایک شعوری خواب میں کچھ اس طرح حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ میں مكة المكرّمة میں موجود ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ادھر انتہائی پرسکون آثارِ صبح

نمودار ہونے لگے اور ادھر سورج کی سنہری شعاعیں بھی مینارِ حرم سے لب کشائی کرنے لگیں ،جس سے وہ یہ پتہ دے رہی تھیں کہ "جامعۃ البعث الاِ سلامی" کی عمارت انتہائی مرتفع ہے گویا وہ بیت اللہ کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور مجھے اپنی زیارت کے لئے ایماء کررہی ہے، چنانچہ میں اس کی زیارت کرتا ہوں اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں علوم اسلامیہ کے مختلف قسم کے خاص خاص ڈیپارٹمنٹ موجود ہیں، مثلاً طب کا ڈیپارٹمنٹ الگ ہے ،علوم کا الگ ہے اور علوم ہندسہ کا الگ وغیرہ وغیرہ، گویا یہ فنی شعبے روشِ اسلامی کی ایک بڑی حدتک آزاد ہیں، جس میں طلبہ کی ان گنت جم غفیر ہے اور وہ اردو، فارسی، ترکی اور یورپین زبانوں کو عمدگی و بہتری کا لباس پہنارہے ہیں، وہاں کا ہر طالب علم سادہ لباس میں ملبوس ہے اور پابند صلوٰۃ ہے، اسلامی فنون وآداب کے حصول میں سنتِ نبوی کا دامن ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں چھوٹتا ہے، قرآن وحدیث سے قلبی تعلق رہتا ہے، وہاں کا ہر طالب علم، علم و ایمان کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوکر ہی فارغ التحصیل ہوتا ہے، حالات زمانہ کا نبض شناس ہوتا ہے، لہٰذا مکہ مکرمہ میں بھی اسی طرح ایک "جامعۃ" ضرور ہونی چاہیے اور وہ "جامعۃ البعث الاِ سلامی" ہی کے نام سے موسوم ہونی چاہیے، اللہ اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو ہر کس وناکس میں غیر معمولی پذیرائی عطا فرمائے (آمین)

ایمان کا کرشمہ

اسی ایمان کے ذریعہ ربعی بن عامر رستم کے دربار میں گئے، جعفر بن ابی طالب نجاشی کے دربار میں گئے، دحیہ کلبی رومی سلطنت میں داخل ہوئے، محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا اور مجدد سرہندی اکبر کے دربار میں پہونچے، مثالیں بہت اور لاتعداد ہیں، تاریخ قدیم وجدید دونوں اس سے مزین ہے۔ (مولانا سید محمد الحسنیؒ)

ترجمے

نبیٔ رحمت

محمد عارف عالیہ ثالثہ شریعہ

یہ نبیٔ رحمت کا سترہواں ایڈیشن ہے اور اس کتاب میں کل ۴۷۲ر صفحات ہیں، اس کتاب میں افضل البشر خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہے، مصنف کتاب نے زمانۂ بعثت کی تصویر اور معاصر دنیا جزیرۃ العرب اور حجاز کا اہم تمدنی سیاسی و تاریخی پس منظر و واقعات و حالات ہدایات و تعلیمات کا تذکرہ کیا ہے، سیرت نبوی کے موضوع پر حضرت مولانا کی کتاب السیر ۃ النبویہ کے عنوان سے اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی جو سیرت کی مفصل و مبسوط قدیم و جدید عالمانہ اور محققانہ تصنیفات کے حوالے سے مزین ہیں، مصنفؒ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ (۲۹/ اکتوبر ۱۹۷۶ء) میں اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔

یہ کتاب اس سرزمین میں مقبول ہوئی، جہاں اس حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ گزرا تھا اور ان تعلیم گاہوں اور تعلیمی مرکزوں میں داخل نصاب ہوئی، جو وحی کے اترنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ سے قریبی نسبت رکھتے تھے، عربی سے اردو میں ترجمہ کی خدمت مصنفؒ کے بھتیجے حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ سابق بانی مدیر البعث الاسلامی نے بڑے شوق اور پوری توجہ کے ساتھ انجام دی، یہ ان کے ترجمہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی اس کی طباعت کے بعد وہ زیادہ دن اس دنیا میں نہیں رہے۔

مصنفؒ نے کتاب کے ترجمہ پر اس وقت نظر ڈالی جب اس میں قلمی مسودات کے پڑھنے اور کتابت و طباعت کی غلطیوں کو پکڑنے کی پوری صلاحیت نہ تھی، بہر حال یہ کتاب عربی اور اردو زبانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے اور اس کتاب کا ترجمہ انگریزی، فرانچی، ترکی، اسپینی، اور بنگالی میں ہوا ہے، حضرت مولاناؒ کی کتاب سیرت بلاشبہ اس دشوار گزار معیار پر پوری اترتی ہے، جس میں متعدد ایسی خوبیاں اور خصوصیات موجود ہیں جو ایک نئی کتاب سیرت کی تصنیفات کا جواز فراہم کرتی ہیں۔

اس کتاب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں چند ایسے ابواب کا اضافہ کیا ہے اوران کے تحت ایسی معلومات ظاہر کی ہیں جن سے سیرت کی عام کتابیں خالی ہیں مثلا اس کتاب کا پہلا باب عہد جاہلیت جس میں صاحب کتاب اس کے تحت چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے تمام مذاہب اوراہل مذاہب کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے، ساتھ ہی مشرقی، رومی سلطنت، ایرانی شہنشاہی، ہندوستان، جزیرۃ العرب اور یورپ کی قوموں پر عمومی نظرڈالتے ہوئے اس عہد کے عالمگیر فساداور گھٹاٹوپ اندھیرا بیان کیا ہے۔

اس کتاب کا دوسراباب ہے: جزیرۃ العرب جس میں مصنف نے جزیرۃ العرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی وجہ کو بہت تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اللہ تعالی کی مشیت وحکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت ونجات کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی، جزیرۃ العرب کے افق سے طلوع ہوا جو دنیا کا سب سے تاریخی خطہ تھااور جس کواس تیز روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، اللہ تعالی نے اس دعوت کے لیے عربوں کا انتخاب اس لئے کیا، جزیرۃ العرب میں آخری نبی کی بعثت کا دوسرا سبب جزیرۃ العرب اور مکہ میں کعبہ کا وجود تھا جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس لئے تعمیر کیا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور یہ جگہ ہمیشہ کے لیے توحید کی دعوت کا مرکز بنے۔

اوراس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے اسے محض سیرت وسوانح کی کتاب بنانے کے بجائے کتاب دعوت بنا کر پیش کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ سراپادعوت ہے اورالگ الگ سیرت کا ہر واقعہ بھی دعوت کا کوئی نہ کوئی پہلواپنے اندر رکھتا ہے اور مصنف نے ایک طرف اس کی اساس قرآن واحادیث اورسیرت تاریخ، جغرافیہ، اثریات وغیرہ سے متعلق جدید مشرقی ومغربی مآخذ سے پورااستفادہ کیا ہے، چنانچہ اس طرح کتاب میں پوری سیرت کو عصری اسلوب قدیم وجدید تحقیقات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب عہد جاہلیت پھراس کے بعدولادت باسعادت، غزوہ بدراور غزوہ احد غزوہ خندق، غزوہ بنوقریظہ، صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، غزوہ موتہ، فتح مکہ، غزوہ طائف اورغزوہ تبوک وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر یہ کتاب مشتمل ہے، مصنف نے سیرت کی دوکتابوں کے حوالے کا زیادہ اہتمام کیا ہے: (۱) سیرت ابن ہشام (۲) زادالمعاد

کاروان مدینہ

محمد شہنواز
عالیہ رابعہ شریعہ

یہ کتاب مختلف اہم تقریروں اور مضامین کا مجموعہ ہے، جن کا تعلق ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سیرت پاک سے ہے اور آپ کی تعلیمات، آپ کے عطیات واحسانات اور آپ کے عالمگیر نتائج واثرات سے بھرپور ہے، آخر میں ایک نعتیہ تمثیلی مشاعرہ بھی ہے ،جس میں فارسی اور اردو کے مشہور شعراء نے بارگاہ نبوی میں نظرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

یہ کتاب ۱۴۶ ارصفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب دراصل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی عربی میں ہے (الطریق الی المدینہ)، جس کا ترجمہ اردو میں ان کے عزیز بھتیجے مولانا سید محمد الحسنیؒ نے بہت خوبصورت انداز میں کیا ہے اور یہ کتاب جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سے شائع ہوئی۔

مترجم نے اس کتاب کے اندر ایسا طرز اسلوب اختیار کیا ہے، جس کو پڑھنے کے بعد ذرا بھی احساس نہیں ہوتا ہے کہ اس کتاب کو عربی سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے، ان کی خصوصیات کا اندازہ اس مضمون سے بھی لگایا جاسکتا ہے، جس کو مصنف نے ۱۹۵۱ء میں حجاز وشام اور مصر کے واپسی پر آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ''فی مہد الرسول'' کے عنوان سے نشر کیا تھا ،جس میں لوگوں نے مصنف سے کہا کہ آپ نے قاہرہ کی سیر کرائی اور وہاں کی اہم شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے اور آپ نے دمشق کی باتیں سنائی ہیں، لیکن اب حجاز اور حجاز کی نمایاں شخصیتوں کا بھی تعارف کرائیں، تو آپ نے حجاز کا تعارف کرایا اور کہا: میں حجاز کے بارے میں کیا سناؤں حجاز کی تو ایک ہی ہستی ہے جس کی باتیں کی جائیں، جس کی وجہ سے حجاز، حجاز ہے اور عالم اسلام، عالم اسلام ہے، پھر آپ نے کہا: سورج کے سامنے ستاروں

اور چراغوں اوراس کی روشنی سے روشن ہونے والے ذروں کا کیا ذکر بس یہی حجاز کی کہانی اور حجاز کا تعارف ہے۔

مترجم کے ترجمے کی اہمیت کا اندازہ محاوروں سے بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر ''میرا دل خوشی سے اس طرح جھوم اٹھا جیسے باد بہاری سے کوئی شاخ گل جھوم اٹھے اور پھولوں کی بوجھ سے لٹک جائے''

مصنف نے اس کتاب کے مضامین کو حج اور بارگاہ نبوی میں حاضری کے موقع پر مرتب کیا تھا اور مصنف نے اپنے فاضل دوست استاد علی طنطاوی سابق جج ہائی کورٹ کو شام سے فرمائش کی کہ وہ اس کتاب پر پیش لفظ یا تعارف کے طور پر کچھ لکھ دیں تو انہوں نے فرمائش پوری کی اور کتاب میں چار چاند لگا دیئے۔

اس کتاب کے اندر مخالف اثرات کا مقابلہ کرنے کی سب سے بڑی طاقت ہے جو قوم پرستی کی تحریکیں مغربی تعلیمات کے اثرات اور دور حاضر کی مادیت ہر جگہ اپنا اثر دکھا رہی ہے اور دلوں کی گرمی اور شوز وگداز کو نقصان پہنچا رہی ہے، جو اس امت کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔

معرکۂ ایمان و مادیت

محمد ساجد بن عبد الوحید
درجہ عالیہ ثالثہ (الف)

یہ اس کتاب کا بارہواں ایڈیشن ہے اور یہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے، یہ ۱۶۰ رصفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب ''معرکہ ایمان و مادیت'' مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب الصراع بين الايمان والمادية کا ترجمہ ہے، ترجمہ کا کام مصنف کے بھتیجے مولانا سید محمد الحسنیؒ نے انجام دیا، مولاناؒ نے اس کا ترجمہ ایسے خوبصورت اور سہل انداز میں کیا ہے کہ اس کو پڑھنے سے لگتا ہی نہیں کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ یہی اصل کتاب ہے، آپ اس کا اندازہ اس عبارت کے ترجمہ سے لگا سکتے ہیں:

إن سورة الكهف قصة الصراع بين النظرتين والعقيدتين والنفسيتين، صراع بين الإيمان بالمادة وما يتبعها، وبين الإيمان بالغيب، والإيمان بالله، وشرح لما تتبع كل نظرة من العقيدة، والعمل والأخلاق، والنتائج والآثار، وتحذير من اتخاذ النظرة الأولى التى تؤمن بالمادة والظاهر، وتكفر بالله والغيب۔ (ترجمہ: سورہ کہف دو نظریات، دو عقیدوں اور دو قسم کی نفسیات کی کشمکش کی کہانی ہے، ایک مادیت اور مادی چیزوں پر عقیدہ، دوسرے ایمان بالغیب اور ایمان باللہ، اس میں ان عقائد، اعمال و اخلاق اور نتائج و آثار کی تشریح کی گئی ہے، جو ان دونوں قسم کی نفسیات یا نظریات کے نتیجہ میں ظاہر ہوتے ہیں، اور اس اول الذکر نظریہ کو اختیار کرنے کے خلاف آگاہی دی گئی ہے، جو صرف مادہ اور اس کے مظاہر پر یقین رکھتا ہے، اور خدا اور غیبی قوتوں کا منکر ہے)۔

مولاناؒ کی تصانیف وتراجم کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت صاف واضح ہوجاتی ہے کہ انہیں زبان پر پوری دسترس حاصل تھی، ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس پر طبع زاد تصانیف کا گمان ہوتا ہے، یہی ترجمے کی خوبی ہے۔

اس کتاب میں عہد حاضر کے پس منظر میں عہد قدیم کے واقعات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، دجالیت سے بحث کی گئی ہے، سورہ کہف کے مضامین مثلاً اصحاب کہف کا واقعہ، دو باغ والوں کی کہانی، موسیٰ وخضر علیہما السلام کی ملاقات اور ذوالقرنین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، ان چاروں واقعات کو ایمان ومادیت کے مابین باہم کشمکش کی صورت میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، مصنفؒ نے ان چاروں واقعات میں تاریخیت پر مدلل طور پر بحث کی ہے اور عصر حاضر سے ان کا کیا تعلق ہے اس کو بیان کیا ہے۔

سد ایمانی

اخلاقی پستی کے اس طوفان بلاخیز کے لئے جو پورے ملک اور معاشرے کو اپنے لپیٹ میں لے رہا ہے، کسی ڈیم کا خیال ہمارے دماغ میں نہیں آتا۔ نیل و فرات، راوی وجہلم اور گنگا جمنا کے محدود سیلابوں کے نقصانات اور تباہ کاریاں تسلیم، لیکن بداخلاقی، کرپشن، بے حیائی وبدمستی اور دولت کی پوجا کا جو سیلاب آج ہر سوسائٹی میں (مسلم وغیر مسلم کی تفریق کے بغیر) گلے گلے بہہ رہا ہے۔ یہ اینٹ پتھر یا سیسہ اور فولاد کی کوئی سد سکندری نہیں، خدا کے خوف، دوسری زندگی کے یقین، حیا وغیرت، سچی انسانیت دوستی، ضمیر کے محاسبہ اور سچائی وحق پرستی کی وہ سد ایمانی ہے، ان ڈیموں اور پشتوں سے کہیں زیادہ اہم ہے، جو پانی کے بچاؤ یا پانی کی حفاظت یا آبپاشی اور بجلی کے لئے قائم کئے جاتے ہیں اور ان پر کروڑوں اور اربوں روپیہ، دل ودماغ کا سب سے قیمتی سرمایہ، اور انسانی کاوش کا بہترین نچوڑ آسانی سے صرف کردیا جاتا ہے۔ (مولانا محمد الحسنی)

ارکان اربعہ

شکیل احمد میواتی

عالیہ ثانیہ شریعہ

پیش نظر کتاب ''ارکان اربعہ'' ہے، جس کے مصنف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ہیں، اور اردو مترجم ان کے ہی بھتیجے مولانا سید محمد الحسنیؒ مرحوم ہیں، یہ کتاب ۳۶۰/صفحات پر مشتمل ہے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سے شائع ہوئی۔

حضرت مولانا کی یہ کتاب تمام تصنیفات میں شہرت کے اعتبار سے اعلی مقام پر ہے، اس کتاب کا پہلا عربی ایڈیشن دارالفتح بیروت سے ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا، تین ہی چار مہینے کے عرصے میں یہ پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا، ایک سال کے عرصے میں کتاب کا ترکی میں ترجمہ ہوکر قونیہ سے شائع ہوگیا۔

ہندوستان میں معارف، برہان اور صدق جدید نے ایسے الفاظ میں کتاب پر تبصرہ کیا، جو تصنیف ومصنف دونوں کی حیثیت سے بلند تھے، یہ کتاب ایک طویل مطالعہ کا نچوڑ اور مسلسل غور وفکر کا نتیجہ ہے اور اس سے کم از کم ایک مہتم بالشان اور اہم موضوع پر غور و خوض اور فکر ونظر کا نیا دروازہ کھلتا ہے، اس کتاب میں اسلام کے چار بنیادی رکن نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کی حقیقتوں اور حکمتوں سے بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دوسرے مذاہب کے طرز عبادت کا موازنہ بھی موجود ہے جو کہ بہت ہی مفید ہے، اس کتاب میں عیسائیت، یہودیت، نیز ہندو مذہب کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے، اور اس پر بہت ہی بہترین دلائل اور تاریخیت سے بحث کی گئی ہے، جس سے اس کتاب کی اہمیت دوبالا ہوجاتی ہے، اس کتاب کا طرز بیان نہایت ہی دلچسپ فصیح وبلیغ اور جاذب نظر ہے۔

حضرت مولانا کو اس سلسلے میں سب سے زیادہ فائدہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی

اللہ دہلویؒ کی مایہ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' سے ہوا، جو اپنے موضوع پر بے نظیر اور منفرد کتاب ہے شاہ صاحب نے ان چاروں ارکان سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا جوہر اور عطر اس کتاب میں آ گیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ محض اس کے فضل وکرم سے یہ کتاب قدیم وجدید دونوں فوائد کی حامل ہے اور اس موضوع پر پورے اسلامی کتب خانہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی نمائندگی کر سکتی ہے، اس میں جدید اسلامی نسل کے سامنے ان حقائق کو نئے طریقے سے پیش کیا گیا ہے جو متقدمین کی کتابوں اور ان کے قدیم اسلوب سے نامانوس اور متوحش ہونے کی وجہ سے ان کے علمی فیوض اور رشحات قلم سے روز بروز محروم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کتاب میں وہ تقابلی مطالعہ آ گیا ہے جو کسی نہ کسی حد تک اس خلا کو پورا کرتا ہے جو اس موضوع کی قدیم کتابوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس کتاب کے سلسلے میں لکھتے ہیں: یہ کتاب اب ایک ہی وقت میں فقہ، کلام، اصول دین سب کی ہو گئی ہے، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ کوئی پڑھا لکھا مسلمان اس کے مطالعے سے محروم نہ رہے۔

حضرت مولانا نے اس کتاب کو اتنا مفصل کیا ہے کہ ان چاروں ارکان کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے، جس کا تذکرہ اس کتاب میں موجود نہ ہو، بلکہ انصاف کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایک ایک مسئلہ کی ایسی تشریح کی گئی ہے کہ مسئلہ کھل کر سامنے آ گیا ہے اور قارئین کے لیے یہ کتاب ان چاروں ارکان کو سمجھنے کے لیے بالکل ہی آسان اور سہل ہو گئی ہے، اس کتاب میں مدلل بحث اور تاریخی واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ یہ ایک یکتائے روزگار تصنیف ہے۔

مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش

محمد ابواسامہ
عالیہ ثالثہ شریعہ

پیش نظر کتاب حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ''مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش'' ہے، حضرت مولاناؒ نے اسلامی افکار واقدار اور مغربی افکار واقدار کی کشمکش کو دیکھ کر اور مسلم ممالک کی اندرونی کمزوریوں اور مغربی تہذیب کے نفوذ واستیلاء کی کیفیت کو سمجھ کر مغربی تہذیب کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے اور اس کو کس طرح موجودہ زندگی سے ہم آہنگ بنایا جائے، ایک مبسوط مقالہ کا آغاز کیا، جس نے جلد ہی ایک کتابی شکل اختیار کر لی، اس موضوع پر یہ کتاب ۱۳۸۲ھ مطابق فروری ۱۹۶۳ء میں "موقف العالم الإسلامي تجاه الحضارة الغربية" کے نام سے شائع ہوئی، مصنف کی فرمائش پر مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا، بعد میں اس کتاب میں مصنف نے مزید اضافہ کیا اور یہ کتاب عربی میں "الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية" کے نام سے پہلی بار ۱۹۶۵ء میں دارالفکر بیروت کی طرف سے شائع ہوئی، یہ کتاب ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں وقت کے سب سے بڑے ''چیلنج مغربی تہذیب کی کامل پیروی زندگی کی شرط اور ترقی کی واحد راہ'' کو دنیائے اسلام نے کس طرح قبول کیا اور مختلف اسلامی ممالک نے کیا کیا موقف اختیار کئے، اور عالم اسلام کے لئے اس بارے میں صحیح راہ عمل کیا ہے، کا تذکرہ ہے۔

مغربی تہذیب اپنی وسیع شکل میں عقائد وخیالات، فکری نظاموں، سیاسی واقتصادی فلسفوں، اجتماعی طبعی اور عمرانی علوم نیز ان مخصوص تجربوں کا عجیب وغریب مجموعہ ہے، اس میں ناقص اجزاء بھی ہیں، مکمل بھی، مضر بھی، مفید بھی، صحیح بھی، غلط بھی، وہ اجزاء اور عناصر بھی، جو کسی

خاص ملک اور قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، اس تہذیبی مرکب نے اس مسئلہ کی پیچیدگی اور ہمت کو بہت بڑھایا ہے، اور عالم اسلام کو ایک نازک اور دشوار پوزیشن میں لا کر کھڑا کر دیا ہے اور اس کے رہنماؤں اور مفکرین کی ذہانت کے لئے ایک امتحان گاہ بن گیا ہے۔

اس نئی پیچیدہ صورتحال سے نپٹنے کے لیے قدرتی طور پر تین موقف ہو سکتے ہیں:

پہلا موقف یا رویہ منفی اور صلبی (nagative) ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسلام اس تہذیب کے سارے نتائج اور فوائد کا یکسر انکار کر دے اور اس کی کوئی اچھی بری بات سننے کا روادار نہ ہو، اس موقف کا قدرتی نتیجہ عالم اسلام کی پسماندگی اور زندگی کے رواں دواں قافلے سے بچھڑنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے عالم اسلام کا رشتہ باقی دنیا سے منقطع ہو جائے گا اور وہ ایک محدود جزیرہ بن کر رہ جائے گا اور نہ صرف اپنی شکل کھو دے گا، بلکہ اپنی روحانی جڑوں اور سارے رشتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا، کیونکہ اگر عالم اسلام کا کوئی ملک مفید علوم اور وسائل سے دست کش ہو کر اپنی محدود دنیا میں محصور رہا، تو یہ وقفہ زیادہ طویل عرصے تک کبھی قائم نہ رہ سکا، چنانچہ عالم اسلام کے مقدس مرکز میں مغربی تہذیب فاتحانہ داخل ہو گئی، جدید مصنوعات اور مغربی مال سیلاب کی طرح اُمڈ پڑا، سامان تعیش اور غیر ضروری اشیاء (luxurious) سے بازار پٹ گئے، مردانگی، بلند ہمتی، اور حوصلہ مندی وغیرہ کی وہ ساری خصوصیات ناپید ہوگئی، جو قدیم زمانے سے عربوں کی خصوصیات رہا کرتی تھیں۔

دوسرا موقف مکمل سپردگی ہے، اور وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کا کوئی حصہ اس مادی مشینی اور اپنا مخصوص مزاج و ذہن رکھنے والی تہذیب کو جوں کا توں قبول کر کے اور اس کے سارے بنیادی عقائد، فکری رجحانات، مادی افکار و خیالات اور سیاسی و اقتصادی نظام پر ایمان لے آئے، اس موقف کو اختیار کرنے سے اجتماع و معاشرت اور سوشل زندگی میں بڑے دور رس نتائج ہوں گے، جنسی بے راہ روی عام ہوگی، اخلاقی انتشار پیدا ہوگا، بالاختصار اس اخلاقی جزام کے سوا کچھ نہیں، جو مغرب کو ٹھیک انہیں اسباب کی بنا پر لاحق ہو چکا ہے۔

تیسرا موقف یہ ہے کہ زندگی کی سہولتوں سے استفادہ اور مغرب کی دریافت کردہ

سائنس اور ٹیکنالوجی ایجادات وسہولت کے وسائل کو مطلق حرام نہ سمجھا جائے، اس لئے کہ علمی افکار و اسالیب کا اختیار کرنا درحقیقت تقلید نہیں، پھر ان کو ان مقصد کے لئے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کے ساتھ ان اعلی مقاصد کا تابع اور خادم بنایا جائے، جو آخری نبوت اور آخری صحیفہ نے ان کو عطا کئے، ''مغربی تہذیب کے بارے میں بعض ممالک کا منفی یا غیر جانبدارانہ رویہ'' بغیر کسی استثناء کے تقریبا سارے مشرقی ممالک اس دور آخر میں ایک ایک کر کے مغربی تہذیب کا لقمہ تر ہو چکے ہیں، افغانستان کے ساتھ (جو پورے مشرق میں اپنے رسم ورواج کی پابندی اور قدیم افغانی روایات پر اصرار میں مشہور ہیں) یہی ٹریجڈی پیش آئی، ایک عرصہ تک وہ مغربی تہذیب کے اثرات اور ہر قسم کی اچھی بری تبدیلیوں سے محفوظ رہا، قدیم تہذیبوں، قدیم تہذیبی ومعاشرتی روایات کو دانتوں سے پکڑے رہا، وہ جدید تہذیب کے صالح اور مفید اجزاء بھی قبول کرنے کا روادار نہ تھا، قریب قریب یہی یمن اور ان تمام ممالک کا حشر ہوتا نظر آرہا ہے، جنہوں نے عرصے تک ہر نئی چیز کا انکار کیا اور مفید علوم، بے ضرر وسائل، نئے تنظیمی تجربوں، رفاہی تدابیر اور فوجی استحکامات کو بھی اپنے حدود میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی تھی، اسی طرح ترکی نے ایک طویل عرصہ تک کسی تیاری اور دشمن کے علمی وصنعتی ہتھیاروں سے مسلح ہوئے بغیر یورپ کا مقابلہ کیا، اس نے یورپ سے مفید علوم، ضروری صنعتوں، فوجی تنظیم کے طریقوں کو اخذ کرنے اور ملک کو جدید طریقے پر منظّم کرنے کے ضروری کام میں کوتاہی اور تغافل سے کام لیا، اگر جزیرۃ العرب کو خود کفیل بنانے کی سنجیدہ کوشش کی جاتی، منصوبہ بندی، تنظیم اور ملک کو تعمیری لائنوں پر ترقی دینے اور مستحکم کرنے کی مخلصانہ سعی کی جاتی، تو ملک اس بری طرح مغرب کا دست نگر نہ بنتا، اسی طرح اگر مغربی تہذیب پر ناقدانہ ومحققانہ نظر ڈالی جاتی اور ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے قدیم اسلامی وعربی اصول پر عمل کیا جاتا تو اس طرح وہ ایک سیلاب کی طرح مرکز اسلام پر نہ امڈ آتی۔

جہاں تک مولانا سید محمد الحسنیؒ کے ترجمہ نگاری کا تعلق ہے تو اس میں باریک بینی اور امانت داری کے سبب ان کا اسلوب ممتاز وجداگانہ ہے، مولانا نے ترجمے میں اصل

مصنف کے لہجے کی خنک اور آہنگ کو باقی رکھا، مصنفؒ کا انداز اور مترجم کا ڈھنگ دونوں مل کر ایک ایسے اسلوب کی شکل اختیار کر گئے ہیں، جیسے قوس قزح کے ساتوں رنگ اپنے حسن اور دلربائی کے ساتھ ترجمہ کے آسمان پر اپنے سبھی رنگوں کی رنگینی ورعنائی کے ساتھ بہار جاوداں کا سامان ہوا، مثال کے طور پر اس جملہ پر غور کریں: وآتاه من كل ما سأله بلسان المقال أو بلسان الحال۔ ترجمہ: انسان نے زبان قال یا زبان حال سے جس ضرورت کا بھی اظہار کیا وہ اس کو عطا کی گئی، اسی طرح أما مقصده السياسى الذى قد وجه اليه كل أفكاره وأخذ على نفسه السعى إليه مدة حياته –وكل ما أصابه من البلاء أصابه فى سبيله– فهو إنهاض دوله إسلامية من ضعفها وتنبيهما للقيام على شؤونها۔ ترجمہ: جہاں تک ان کے سیاسی مقصد کا تعلق ہے اور جس کی طرف انہوں نے اپنی زمام افکار موڑی تھی اور اپنی زندگی اس جدوجہد میں صرف کی تھی اور اس راستہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی تھی وہ اسلامی حکومت کے ضعف کو دور کرنا اور اس کو بیدار کرنا ہے۔

تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ

محمد زاہد حسین

عالیہ ثالثہ شریعہ

پیش نظر کتاب مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ہے، حضرت مولاناؒ کی ذات محتاج تعارف نہیں، حضرت مولاناؒ کی کتابیں آج بھی علم وآگہی کی منبع سمجھی جاتی ہیں، اور پڑھنے والوں کے دلوں پر دیرپا نقوش وتاثرات چھوڑ جاتی ہیں۔

"تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" حضرت مولاناؒ کے شاہکار قلم کا نمونہ ہے، جس میں انہوں نے مجاہد کبیر، مجدد اسلام حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کار کا تعارف کرایا ہے، اور ان کے کارناموں پر اجمالی نظر ڈالی ہے، اور اپنوں اور پرایوں کی کوتاہیوں اور زیادتیوں کی دل خراش داستان جو ان کے حق میں روا رکھی گئی ہے، اس کا مختصر ذکر ہے۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد شہید (۱۲۱۰-۱۲۴۶ھ) نے اس برصغیر میں جس عظیم اسلامی تحریک کی رہنمائی کی، اس کی نظیر گزشتہ کئی صدیوں میں نظر نہیں آتی اور اس جیسی ایمان آفرین تحریک اور صادقین ومخلصین کی ایسی مربوط ومنظّم جماعت کا کوئی سراغ نہیں ملتا، عقائد اعمال کی تصحیح، افراد کی تربیت، وعظ وتبلیغ، اور جہاد فروشی کے وسیع وطویل محاذ پر جس طرح سرگرم عمل رہے، اس کا اثر صرف ان کے میدان کارزار اور ان کے معاصرین تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس نے آئندہ نسل اپنے بعد آنے والے اہل حق اصحاب دعوت اور دین کے علمبرداروں پر گہرے اور دیرپا نقوش کو چھوڑے۔

سید صاحب نے "ألا لله الدين الخالص" کو پیش نظر رکھ کر اپنی اس تحریک کی

بنیاد رکھی، جنہوں نے مسلمانوں میں ایمان ویقین جذبۂ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی، ۱۷ جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ میں مجاہدین کے یہ قافلے نے ہندوستان سے ہجرت کر کے شمالی مغربی سرحد کو اپنا آشیانہ بنالیا، اور اس علاقے کو دعوت و جہاد کا مرکز بنالیا ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہاں سے اپنے کام کا آغاز کریں گے، اور سکھوں کے مسلمانوں پر ہو رہے بیجا مظالم کو ختم کر کے مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ کر کے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر اس پورے علاقے میں کتاب وسنت کی بنیاد پر عادلانہ حکومت قائم کریں گے، وقت کے گزرنے اور مجاہدین کی مخلصانہ دعوت و جہاد کے نتیجے میں یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، اور قریب تھا کہ رنجیت سنگھ کے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے اور ہندوستان کی شمالی ومغربی سرحد میں ایک صحیح اسلامی حکومت کا قیام عمل میں خدائے اور حدود شریعہ کا باقاعدہ اجراء ہو۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ مبارک تغیر وانقلاب زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کیا جاسکا، اور یہاں بھی وہی ہوا جو شروع سے ہی مسلمانوں کا المیہ رہا ہے، اور پہلے کی طرح یہاں بھی شخصی وقبائل جذبات ومفادات نے سر اٹھایا اور زخم خوردہ مشتعل جاہلیت نے اپنی شکست و ذلت کا انتقام لینے کے لئے اس کی کمزوری کو پوری طرح استعمال کیا، بالآخر بالاکوٹ میں آخری معرکہ پیش آیا، اس میں ضمیر فروشوں کی وجہ سے مسلمانوں کی شکست ہوئی، اور سید صاحب اور حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور بہت سے اکابر علماء ومجاہدین درجۂ شہادت سے سرفراز ہوئے اور یہ سب ۲۴/ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ بمطابق ۶/ مئی ۱۸۳۱ء میں پیش آیا۔

اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد سید صاحب کے خلفاء ورفقاء نے مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور ان کے بھائیوں اور بیٹوں کی قیادت وامارت میں آزاد قبائل کے درمیان علاقہ ستھانہ میں مجاہدین کا مضبوط مرکز قائم کیا اور سید صاحب کے مشن کو جاری رکھا، لیکن اب ان کا رخ سکھوں سے ہٹ کر (جن کی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا تھا) انگریزوں کی طرف ہو گیا، جو ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے، اہل صادق پور نے انگریزوں کو ناکوں

تلے چنا چبانے پر مجبور کیا، جن کی تعریف انگریز مصنفین نے بھی کی ہے، لیکن ان کے بدلے ان لوگوں کو ایسے حوادث ومصائب سے دوچار ہونا پڑا، جن کو سن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور انگریزوں سے انتقام لینے کے جوش میں سارے قانون کو بالائے طاق رکھ دیا، مولانا یحیی علی عظیم آبادی، مولوی عبدالرحیم صادق پوری اور مولوی جعفر تھانیسری اوران کے بعض احباب ورفقاء پر مقدمہ چلاکر سزائے موت کاحکم سنایا، لیکن مجاہدین اس فیصلے کوسن کر اس طرح خوش ہوئے گویا ان کی دلی مراد پوری ہوگئی ہو، لیکن انگریزوں سے ان کی یہ خوشی بھی نہ دیکھی جاسکی اور پھانسی کی سزامنسوخ کر کے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدل دی گئی، اوراس طرح ایک روشن وتابناک عہد اپنے اختتام کو جا پہنچا، اوراپنے پیچھے ہزاروں یادیں لوگوں کے دلوں میں چراغاں کرگیااور بقول شاعر:

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

اخیر کتاب میں حضرت مولانا نے اہل مغرب مصنفین کی جانب سے ہوئے بیجا اعتراضات کا جواب دیاہے، اور کچھ عرب مصنفین کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا ہے، اوراس کے بعد مغربی مصنفین کے اعتراف حق کا ذکر بھی کیا ہے، جنہوں نے سید صاحب اوران کے رفقاء کی صحیح تاریخ بیان کی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد الحسنی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ اس انداز سے کیا کہ اس میں کتاب کی اصل روح اوراس کا مقصد پورے طور پر آ گیا مثال کے طور پرایک عبارت پیش نظر ہے، ولو خير هؤلاء المخلصون بين الاجتهاد والاستتار وبين الظهور والخمول لآثروا الثاني على الاول، ولدعوا الله جاهدين مخلصين ان يجعل عملهم خالصا لوجهه الكريم، وان لا يطلع عليه

احد، وقد كان بعضهم يحزن اذا تحدث به الناس ويندم اذا تحدث باستطرادا أو استطرادا كأنه افشى سرا كان يحب كتمه.

اللہ کے ان مخلص اور پاک نہاد بندوں کو اگر اس کا اختیار دیا جاتا کہ وہ شہرت و ناموری اور اخفائے حال اور گمنامی میں جس کو چاہیں پسند کرلیں تو وہ یقیناً اخفاء حال اور گمنامی کو ترجیح دیتے اور اللہ تعالیٰ سے پوری الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرتے کہ ان کے اس عمل کو خالص اپنی رضا کے لیے محفوظ ومستور رکھے اور کسی انسان کو اس کی خبر نہ ہو ان مردان خدا میں بہت سے ایسے تھے کہ اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے کسی عمل اور خدمت کا عامۃ الناس میں چرچا ہو گیا ہے تو ان کو اس سے رنج ہوتا اگر کسی وقت اضطراری طور پر یا کسی کیفیت وحال کے غلبہ سے ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس سے ان کے اس کارنامہ کا علم ہو جاتا تو اس پر نادم ہوتے اور ان کو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا ان کا کوئی راز فاش ہو گیا ہے۔

انسان کا سب سے بڑا کمال

انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، ایک طرف اس کا سینہ ایمان و یقین سے اور اس کا دل لازوال محبت سے معمور ہو، اور دوسری طرف اس کی زبان اس کے دل کی ہمنوا اور اس کا عمل ان کے جذبات اور کیفیات کی ترجمانی کر رہا ہو۔ اگر یہ بات کسی انسان کو حاصل ہو جائے تو اس کا ہر قول و عمل اور اس کی ہر تقریر و تحریر میں ایک ایسی دلکشی اور دلآویزی پیدا ہو جائے گی، جس کی تعبیر الفاظ سے نہیں کی جا سکے گی، لیکن اس کی مٹھاس ہر شخص محسوس کرے گا اور اسے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے کسی نے اس کے دل کی بات کہہ دی، یا اس کی گمشدہ دولت اس کو واپس مل گئی۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

(مولانا سید محمد الحسنیؒ)

تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک

محمد ابرار میواتی

عالیہ ثانیہ شریعہ

زیرِ نظر کتاب ’’تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک‘‘ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تصنیف "ربانية لا رهبانية" کا اردو ترجمہ ہے اور مترجمِ کتاب مولانا سید محمد الحسنیؒ ہیں۔

یہ کتاب ۱۳۹ صفحات پر مشتمل ہے، اور مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنو سے شائع ہوئی ہے، پیش نظر کتاب ان مختلف مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے جو تزکیہ احسان کے مقصد کی وضاحت کے لیے (عربی اور اردو دونوں زبانوں میں) مختلف اوقات میں لکھے گئے، معنوی وحدت نے موضوع کے تنوع اور اوقات کے اختلاف کے باوجود ان سب مضامین کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے، ان میں یا تو علم و تجربہ کی بنیاد پر کسی خیال کی وضاحت کی گئی ہے یا زندگی اور اخلاقیات کے کسی خلاء کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جس کا پر کرنا بہت ضروری ہے، یا اہل حق کی اس جماعت کا دفاع ہے جس کو تنقید و نقطہ چینی کا مسلسل حدف بنایا جاتا رہا ہے، اور اکثر ذاتی معلومات، عملی تجربہ، اور اس کی زندگی کے گہرے مطالعہ اور تحقیق وجستجو کے بغیر ان پر بے تکلف رائے زنی بلکہ نشتر زنی کی گئی ہے۔

ہر زمانے میں ایسی طاقتور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کا کام کریں۔

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے مصنفؒ نے اس کتاب کے مضامین کے اندر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مولانا رومی، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، اور مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے پہلو تزکیہ واحسان کو مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

مقصدِ ترجمہ:

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اصل کتاب ''ربانیۃ لا رہبانیۃ'' بطورِ خاص عربوں کے لیے لکھی، عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ تصوف ایک عجمی بدعت ہے اور اس پر عمل سے انسان شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کے اعتراضات و اشکالات کا جواب اس کتاب کے ذریعے دیا گیا ہے کہ تزکیہ و احسان ہی کو اردو میں تصوف و سلوک کہا گیا ہے اور یہ تعلیماتِ اسلامی کے خلاف نہیں بلکہ اسی کا ایک جزو ہے، اور یہی کچھ اشکالات و اعتراضات برِ صغیر میں بھی تھے، جو اصطلاحات کے بدل جانے سے پیدا ہوئے، جن کا جواب دینے کے لیے اس کتاب کے ترجمہ کی ضرورت پیش آئی۔

خصوصیاتِ ترجمہ:

ترجمہ نہایت ہی سلیس اور سہل انداز میں ہے، اور مترادفات کے استعمال سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا ہے، مولانا رحمہ اللہ کے ترجمہ کی بہت ہی اہم خصوصیت یہ ہے کہ قاری کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے، ایک مستقل تصنیف میں جو حلاوت و روح ہوتی ہے، وہ اس ترجمہ کے اندر بحسن خوبی موجود ہے، مترجم نے اصول وضوابطِ ترجمہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصنفؒ کی تصنیف کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کو بھی منتقل کر دیا ہے، جس سے فنِ ترجمہ میں آپ کی مہارت اور رمز شناسی کے عکاسی ہوتی ہے۔

بطورِ نمونہ آپ حضرات کے سامنے اصل کتاب کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

''تزكية النفوس والتهذيبها وتحليتها بالفضائل وتخليتها من الرذائل، التزكية التى نرى امثلتها الرائعه فى حياة الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين واخلاصهم

واخلاقهم، والتی کانت نتیجتها هذا المجتمع الصالح
الفاضل المثالی الذی لیس له نظیر فی التاریخ، وهذه
الحکومة العادلة الراشدة التی لا مثیل لها فی العالم۔“

اب آپ ترجمہ کی سلاست اور عمدگی پر غور کیجئے: تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رذائل سے پاک وصاف کیا جائے۔

مختصر الفاظ میں تزکیہ کی وہ شکل جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتی ہیں، اور ان کے اخلاص اور اخلاق کی آئینہ دار ہیں، وہ تزکیہ جس کے نتیجہ میں ایسا صالح، پاکیزہ، اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، اور ایسی معدلت شعار اور حق پرست حکومت قائم ہوئی ہے، جس کی مثال روئے زمین پر کہیں اور نہ مل سکی۔

اس اقتباس کے بعد آپ حضرات کو بحُسنِ خوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اللہ رب العزت نے مترجم موصوف کو فنِ ترجمہ میں دسترس اور یدِ طولیٰ عطا فرمایا تھا۔

ایمان....!

ایمان زندگی کی دعوت ہے، بغیر تردد و شرمندگی و بے حیائی کے، بغیر کسی معذرت ولکنت و اضطراب کے، بغیر کسی خوف وخطر کے وہ ایک صاف واضح اور بین دعوت ہے، اس میں نہ کوئی پیچیدگی ہے، نہ ابہام و پوشیدگی۔

(مولانا محمد الحسنیؒ)

عالم عربی کا المیہ

تنویر اعظم

عالیہ رابعہ شریعہ

یہ کتاب دراصل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تصنیف "كارثة العالم العربي وأسبابها الحقيقيه" کا اردو ترجمہ ہے جسے مولانا سید محمد الحسنیؒ نے انجام دیا ہے جس میں ترجمہ کی بوتک محسوس نہیں ہوتی گویا آپ نے جدید اسلوب میں جدید کتاب لکھ دی یہ کتاب ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں سات ابواب ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عالم عربی کا المیہ اور اس کے حقیقی اسباب۔ (۲) فتح وغلبہ کے دو الٰہی نظام۔ (۳) سود وزیاں کی میزان۔ (۴) عالم عربی کو اصل خطرہ اسرائیل سے نہیں اس ضمیر سے ہے جس نے اپنا کام چھوڑ دیا۔ (۵) المیہ فلسطین سے تین سبق۔ (۶) صدر ناصر کی مخالفت کیوں۔ (۷) اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کو قرآن کی نوید فتح۔

اور یہ کتاب بیروت و دمشق سے المسلمون وقضية فلسطين کے نام سے بھی کئی مرتبہ شائع ہوئی بعض اہل نظر واہل ذوق نے حضرت مولانا کی تصنیفات میں اس کو خاص اہمیت وترجیح دی ان مقالات وخطبات کا تعلق اگرچہ ایک ایسے دور سے تھا جو بظاہر گزر چکا ہے اور بعض ایسی شخصیتوں سے ہے جو اس وقت دنیا میں نہیں ہے لیکن ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ عالمگیر اور زندہ جاوید صداقتیں ہیں جو قرآن مجید کے عمیق اور تاریخ کے وسیع مطالعے پر مبنی ہے، مصنف کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے عالم عربی کا خاکہ اپنے مضامین وخطبات میں کچھ اس طرح سے کھینچا ہے۔

چنانچہ اس کتاب کا پہلا باب عالم عربی کا المیہ اور اس کے حقیقی اسباب ہیں اسی

نام سے یہ کتاب بھی موسوم ہے اس میں آپؒ نے اسلامی غیرت وحمیت کے فقدان کو بیان کیا ہے کہ اس فضا اوران حالات میں اوراس کردار اوران رجحانات کے ساتھ یہ فیصلہ کن وقت آ گیا اوراس حالت میں آیا کہ عرب حکومتیں ان تمام امراض میں گرفتار بلکہ زار ونزار تھیں اور روحانی افلاس اخلاقی انحطاط قحط الرجال دینی جذبہ اسلامی غیرت وحمیت اوراتحاد وہم آہنگی کے فقدان کی وجہ سے کمزور اور نڈھال ہو چکی تھی آخر وقت تک وہ اس لڑائی کو عربیت کی لڑائی تقدیر کی لڑائی اورنئ عرب نسل کی لڑائی کہتی رہیں، ان میں وہ انابت، خشوع ،توجہ الی اللہ، بے قراری وگریہ وزاری اوراس کی رحمت ونصرت کی طلب اوراس کے آستانہ پر جبہ سائی اوراعتراف تقصیر ندامت واستغفاراور توبہ واعتراف کی وہ تمام فضا پیدا نہ ہوسکی جو ان کے اسلاف کا طریقہ اور دستور تھا جس کے متعلق قرآن پاک میں آیا ہے کہ " یا أیھا الذین أمنوا إذا لقیتم فئه فاثبتوا واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون" چنانچہ دوسرے باب المیہ فلسطین سے تین سبق میں عالم عربی کوالمیہ فلسطین کے حوالے سے کچھ کرنا چاہتے ہیں کہ آج کہ وہ قائدین جنہوں نے عرب اقوام کے مسائل اور خاص کر مسئلے فلسطین کوحل کرنے کا دعوی کیا تھا یہ انسانی تاریخ کے ناکام ترین قائدین میں سے ہیں مشیت الہی نے انہیں سنہرا موقع دیا تھا جوشاذونادرہی کسی قائدکوملتا ہے ان کے لیے میدان بالکل خالی تھا جس سے یہ گھبرائے تھے وہ بھی میدان چھوڑ چکے تھے لیکن نتیجہ کیا ہوا انہوں نے عرب قوم کے دامن پر ایسا بدنما داغ لگا دیا جسے سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھوسکتا یہ صرف عربی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہے مزید مصنفؒ نے تیسرے باب اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کوقرآن کی نوید فتح میں عالم اسلام کوقرآن کریم کی فتح نوید کا پیغام دینا چاہتے ہیں اس شرط پر کہ وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوں اگر عرب ایک طویل عرصے کے لیے غلام اور ذلیل وخوار بن جائیں اوراپنی اس طاقت حیثیت اورصلاحیت سے محروم ہوجائیں جو بنی نوع انسان کی رہنمائی اورانسان کی قیادت کے لیے ضروری ہے اور یہ پورا علاقہ یہودیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے جہاں سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو اسلام

کی بقا اوراس کی عزت وسر بلندی اورامن واطمینان کی فضا میسر نہیں آسکتی خواہ سینکڑوں ہزاروں نئی اسلامی حکومتیں قائم ہو جائیں اورسینکڑوں سبز جھنڈے فضا میں لہرا دیے جائیں چنانچہ بعض ماثور اقوال میں آیا ہے کہ إذا ذلل العرب ذلل الإسلام اگرعرب ذلیل ہوئے تو اسلام بھی ذلیل ہو جائے گا اس لیے یہ غیر طبعی وغیر فطری حالات وبقا کی صلاحیت خود ہی نہیں رکھتے چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ: "حتی إذا استیاس الرسل وظنوا أنهم قد كذبوا جائهم نصرنا فنجی من نشاء" اس طرح مصنف کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسن ندویؒ نے اپنے دیگر مقالات وخطبات میں بھی عالم عربی کے المیہ کی خاکہ کشی کی ہے اللہ اس کتاب کی جامعیت کو عوام الناس میں لائق پذیرائی عطا کرے اور ہر کس وناکس کو اس سے بھرپور استفادہ کرنے والا بنائیں آمین!

إذا هبت ريح الإيمان

محمد اورنگ زیب
عالیہ ثانیہ شریعہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمت اللہ علیہ کی کتاب اذاہبت ریح الایمان ہے۔ اوراس کتاب کا اردو ترجمہ جب ایمان کی باد بہاری چلی کے نام سے حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ نے کیا ہے۔ ترجمہ سب سے پہلے مکتبہ فردوس مکارم نگر سے شائع ہوا۔ مصنفؒ لکھتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں جب کبھی ایمان کی باد بہاری چلی تو عقائد، اعمال اور اخلاق تینوں شعبوں میں حیرت انگیز واقعات بلکہ عجائبات کا ظہور ہوا۔ اور شجاعت و جواں مردی، یقین واعتماد، عفت و امانت، رحم دلی اور محبت اور وفاداری و جان نثاری کے ایسے نمونے اور تصویریں لوگوں کے سامنے آئیں جوانسانیت کے حافظہ سے رفتہ رفتہ محو ہوتی جارہی تھیں۔

ایمان کے یہ دل نواز جھونکے تاریخ کے مختلف وقفوں میں چلے، کبھی کم مدت کے لیے کبھی زیادہ عرصہ کے لیے، دعوت اسلامی کی تاریخ میں ان سب کا ریکارڈ اچھی طرح محفوظ ہے، ہندوستان میں ایمان کی یہ باد بہاری اور نسیم جاں فزاں تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں اس وقت چلی جب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اوران کے عالی ہمت رفقاء نے اس ملک میں توحید تجدید دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کیا اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کی یاد تازہ کردی، سید احمد شہیدؒ نے دین خالص کی دعوت پر اپنی بنیاد رکھی انہوں نے مسلمانوں میں ایمان ویقین جذبۂ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی ایک بڑی جماعت داعیانہ ومجاہدانہ بنیادوں پر مرتب کی اور شمال مغرب کی سرحد کو اپنی دعوت و جہاد کا مرکز بنایا ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ پورے ملک سے انگریزوں کو بے دخل کرنے کی کوششیں کریں گے اور کتاب وسنت کی بنیاد پر حکومت شرعیہ قائم کریں گے۔

ان مجاہدوں نے پنجاب میں سکھوں کو شکست دی تھی اور ان مجاہدین نے صوبۂ سرحد پشاور اوران کے اطراف میں عملی طور پر اسلامی حکومت قائم کی لیکن وہاں کے قبائل نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اس نظام کا بالآخر خاتمہ کردیا آخر میں بالاکوٹ کے میدان میں ان مجاہدین کی

سکھوں سے آخری جنگ ہوئی اور اس معرکہ میں سید صاحبؒ اور مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ اور ان کے بہت سے رفقاء اور مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے سید احمد شہیدؒ پر دو جلدوں میں ایک اہم کتاب لکھی یہ کتاب سید احمد شہیدؒ کے مؤثر واقعات پر ہے جس نے سید احمد شہیدؒ کی زندگی کے مؤثر واقعات وحالات کا احاطہ کیا ہے۔

ایک واقعہ بطور مثال ملاحظہ کریں کہ ایک مسلمان کا شوق شہادت کیسا ہونا چاہیے سید صاحب نے اکوڑہ پر حملہ کرنے کی غرض سے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کی ان مجاہدین کی ایک فہرست سید صاحب کے سامنے پیش کی گئی آپ نے اس پر ایک نظر ڈالی تو اس میں عبدالمجید خان جہاں آبادی کا نام بھی موجود تھا جو کئی روز سے بخار میں مبتلا تھے، آپ نے ان کا نام فہرست سے حذف کر دیا جب عبدالمجید خان کو اس کی اطلاع ملی کہ ان کا نام فہرست سے نکال دیا گیا ہے تو وہ سید صاحب کے پاس آئے اور پوچھا کہ ان کا نام کیوں حذف کر دیا سید صاحب نے فرمایا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے تو انہوں نے کہا کہ آج اللہ کی راہ میں دشمن سے پہلا مقابلہ ہے اور میں ایسا سخت بیمار نہیں ہوں کہ جا نہ سکوں میرا نام آپ مجاہدین میں ضرور داخل کریں آپ نے ان کا نام داخل کیا، غرض عبدالمجید خان اکوڑہ کی جنگ میں شریک ہوئے دشمن کی تعداد مجاہدین سے دس گنا زیادہ تھی لیکن اللہ تعالی نے ان کو غالب اور فتح یاب کیا اور اس جنگ میں عبدالمجید خان کو شہادت نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا نے ۱۷ سال کی عمر میں کتاب اذا ھبت ریح الایمان اور سیرت سید احمد شہید سے پہلے ایک مضمون لکھا جو ترجمۃ الامام احمد بن عرفان الشہید کے عنوان پر تھا اور مصر کے مشہور مجلّہ المنار میں شائع ہوا، یہ کتاب سب سے پہلے شعبان ۱۳۹۳ھ بمطابق ۱۹۷۳ء میں اذا ھبت ریح الایمان کے نام سے دار عرفات دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کی طرف سے ندوۃ العلماء کے عربی پریس میں شائع ہوئی، اور ممالک عربیہ میں اس نے بہت جلد شہرت ومقبولیت حاصل کر لی ایسا معلوم ہوا کہ جیسے یہ کتاب ایک اہم خلا پر کرتی تھی اور عرصے سے اس کا انتظار تھا، عربی کتاب "إذاهبت ريح الإيمان" ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے اردو ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن جب ایمان کی باد بہاری چلی جو ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے جو مکتبہ شباب ندوہ روڈ سے شائع ہوا ہے۔

بين الصورة و الحقيقة

وصی الرحمٰن

عالیہ ثانیہ شریعہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے لکھنؤ میں تبلیغی جماعت کے ایک پروگرام ۱۹۴۹ء میں صورت وحقیقت کے عنوان سے تقریر فرمائی تھی، اس وقت مولانا سید محمد الحسنیؒ کی عمر ۱۴؍سال تھی، انہوں نے اس کو عربی میں پیش کیا تو اصل وترجمے کا کوئی فرق نہیں محسوس کیا گیا، پھر اس کو مکتبۂ اسلام لکھنؤ نے اسے شائع کیا تھا، بعد میں بھی شائع ہوتا رہا اور عالم عربی میں بہت مقبول ہوا۔

یہ عربی میں ۱۵؍صفحات پر مشتمل مضمون ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ صورت اور حقیقت کا فرق ہر جگہ نمایاں ہوگا، ہر جگہ صورت کو حقیقت کے سامنے پسپا ہونا پڑے گا، یہاں تک کہ عظیم سے عظیم اور مہیب سے مہیب صورت اگر حقیر سے حقیر حقیقت کے سامنے آئے گی، تو اسے مغلوب ہونا پڑے گا، اس لئے کہ ہر چھوٹی سی چھوٹی حقیقت ہر بڑی سی بڑی صورت کے مقابلے میں زیادہ طاقت رکھتی ہے، حقیقت ایک طاقت ہے، ایک ٹھوس وجود ہے، صورت صرف ایک خیال ہے، اس دور میں ہم حقیقت اسلام کو چھوڑ کر صورت اسلام کو اپنائے ہوئے ہیں، مغرب حقیقت کو لے کر آگے بڑھ رہا ہے اور ہم صورت سے اس کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، تاریخ میں کہیں آپ نے پایا ہے کہ صورت حقیقت پر غالب آگئی ہو، آپ نے چڑیا گھر اور عجائب گھروں کی سیاحت کی ہوگی اور وہاں پر درندے جانور، شیر چیتے کی تصاویر بھی دیکھی ہوں گی، چھوٹے بچے ان تصاویر سے کھیلتے ہیں اور گرا دیتے ہیں اور یہ تصاویر بچوں کو نقصان نہیں پہنچاتی، آپ خیال کریں اگر یہ اصل کے درندے ہوتے تو کیا کوئی اس کے قریب جانے کی ہمت کرتا ایسے ہی اگر قرن اول کے

مسلمانوں والا ایمان ہم اپنے اندر پیدا کرلیں تو آج جس ذلت وپستی میں ہم پڑے ہیں، اس سے ہم باسانی نکل کر پھر سے دنیا کی قیادت اور سیاست کا فریضہ انجام دینے لگیں گے نہ ہم حقیقی مسلمان ہے، نہ ہماری نماز اور قرآن کی تلاوت حقیقی، حقیقی نماز تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز کی طرح ہوتی ہے، حضرت علی جنگ میں شریک ہوئے پیر کی پنڈلی میں ایک تیر لگ گیا درد کی وجہ سے کسی کو تیر نکالنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں حضرت علی نماز کی امامت کے لئے کھڑے ہوئے پیچھے سے ایک شخص نے تیر کھینچ لیا نماز سے فراغت کے بعد مصلیوں سے کہہ رہے ہیں میں تمہیں تیر نہیں نکالنے دوں گا، غور کریں نماز میں حالت انہماک کا کیا عالم تھا کہ تیر نکل گیا، لیکن احساس تک نہیں ہوا۔

اقتباس آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ صورت اسلام ادنی ادنی حقائق پر بھی غالب نہیں آرہی ہے، اس لئے کہ صورت میں درحقیقت کچھ بھی طاقت نہیں، ہماری صورت اسلام صورت کلمہ ہم سے ادنی ترغیبات چھڑانے سے قاصر ہے، ادنی عادات پر غالب آنے سے قاصر ہے، آپ کا یہ کلمہ جو کبھی گردن کٹوا دینے کی طاقت رکھتا تھا جو مال اور اولاد کو اللہ کی راہ میں بے تکلف قربان کرا دینے کی طاقت رکھتا تھا، آج وہ ان سردیوں میں صبح کی نماز میں اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے کہ وہ کلمے کی طاقت تھی جس کے کارنامے آپ تاریخ اسلام میں پڑھتے ہیں، یہ کلمے کی صورت ہے جس کی بے اثری آپ دن رات دیکھتے ہیں جس طرح املی کے بیج سے آم کے پھل کی توقع فضول ہے اسی طرح صورت سے حقیقت کی امید بیکار ہے۔

شهداء بالاكوت يتكلمون

سیف الاسلام
عالیہ ثالثہ شریعہ

پیش نظر مضمون مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب سیرت سید احمد شہید جلد دوم کا آخری مضمون ہے، جسے انہوں نے اپنی عربی کتاب "إذا هبت ريح الإيمان" میں شامل کرنے کی غرض سے مولانا سید محمد الحسنیؒ سے عربی میں ترجمہ کرایا تھا، جو اس کتاب کا شاہکار ہے۔

اس مضمون میں حضرت مولانا نے بالاکوٹ کے شہیدوں کے مقام اور ان کے پیغام کو بیان کیا ہے، بالاکوٹ کے معرکہ میں ایسے ایسے پاک نفوس شہید ہوئے، جو عالم انسانیت کے لیے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لئے شرف و عزت اور خیر و برکت کے باعث تھے، مردانگی و جواں مردی، پاکیزگی و پاک بازی، تقدس اور تقوی، اتباع سنت و شریعت، اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے سینچا گیا تھا وہ عطر مجموعہ جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لئے کافی تھا ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا۔

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، لیکن کسے خبر کہ یہ خون شہادت دفتر قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا۔

شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کی منشاء اور قانون اسلام کے مطابق

آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت وعظمت کا قائل کر سکیں، جہاں شیطان نفس حاکم وسلطان اور رسم ورواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت واطاعت ہو۔ اللہ تعالی کے اس قول کے مطابق " ویکون الدین کله لله"۔ (الانفال : ۳۹)

جہاں طاعت وعبادت اور صلاح وتقوی کے لئے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو، اور فسق وفجور ومعصیت کے لئے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر "الذین إن مکنٰهم فی الأرض أقاموا الصلاة و آتو الزکاة و أمرو بالمعروف و نهو عن المنکر" کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیر الٰہی نے ہمارے لئے اس سعادت ومسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدان جنگ کی شہادت اور اپنے قرب ورضا کی دولت کو ترجیح دی، ہم اپنے رب کے اس فیصلے پر رضامند ہیں۔

اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصے میں کوئی ایسا خطۂ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کی منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو، اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو، اور ان شرائط واوصاف کا ثبوت نہ دو، جو مہاجرین ومظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغۂ امتیاز ہیں، تو تم ایسے کفران نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہوگئے، جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

مولانا سید محمد الحسنی ایک باکمال عربی اردو کے مصنف اور مترجم تھے، انہوں نے اس مضمون کو اردو سے عربی میں اس انداز سے ٹرانسلیٹ کیا کہ اس میں مضمون کی اصل روح اور اس کا مقصد پورے طور پر آ گیا۔

مثال کے طور پر ایک پیراگراف پیش نظر ہے:

"اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے

ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی، اور اس کے دین کی فتح مندی کے لئے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا، جب تک ان کے دم میں دم رہا، اسی راہ میں سرگرم رہے، بالآخر اپنے خون شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مہر لگادی، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴/ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جورات آئی وہ پہلی رات تھی جس رات کو وہ سبکدوش وہ سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔''

عربی میں ترجمہ:

لقد عاهدوا الله على أنهم سيجاهدون إلى آخر أنفاسهم و لحظات حياتهم، لإعلاء كلمته و إظهار دينه، و رفع رايته، و تنفيذ شريعته و نشر هديه و نوره ولو كره المشركون، و قد صدقوا ما عاهدوا الله عليه، و ظلوا يجاهدون بكل نشاط وحماس و شوق، لا يثنى همتهم شيئ ، لفظوا نفسهم الأخير ووقعوا على وثيقة الحب والفداء بدمائهم السخية النقية، ويا له من توقيع، و لعل ليلة الخامس والعشرين من ذى القعدة كانت الليلة الأولى التى ناموا فيها نومة هادئة، و قد تحرروا من أثقال رؤوسهم، و أغلال أجسادهم، و يا له من تحرر!

تصحیح نیت

او مسلمانو! نیت سرفہرست ہے نہ کہ فہرست کے آخر میں، اور جب صحیح نیت کی جائے تو اس کے پھل بھی صحیح ملتے ہیں، اگر چہ وہ مادہ پرستوں کی نگاہوں میں ناکام اور اسباب و وسائل پر اعتماد کرنے والوں کی نظروں میں شکست خوردہ ہو، قدامت پرست اور رجعیت پسند اور سائنس اور علم و ادب کے مبلغوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔ (مولانا سید محمد الحسنی)

فضائل نماز

محمد ارباز
عالیہ ثالثہ شریعہ

کسی بھی کتاب کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ اس کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا جائے ،انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب فضائل اعمال ہے،اس میں اعمال کے فضائل بیان کئے گئے ہیں،اس کتاب کی اہمیت وافادیت ہر جگہ مسلم ہے،اس کے ذریعہ بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے اور یہ اسلامی شعار کواپنانے اوراحکامِ خداوندی پرعمل پیرا ہونے کی طرف راغب وگامزن ہوئی ہے،اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کے بعدسب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہےاس کتاب کوشیخ الحدیث بانی تبلیغ جماعت حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے شیخ محمد الیاس کاندھلوی کے مطالبہ پرلکھا تا کہ دعوت وتبلیغ سے جڑیں اورلوگوں کیلئے ایک قیمتی سرمایہ ہوسکے یہ کتاب حلقہ دعوت وتبلیغ کی تعلیم میں بے حدمفید ثابت ہوئی، گویا کہ یہ تبلیغی جماعت کانصاب بن گئی۔

جب تبلیغی جماعت کادائرہ وسیع ہوااور عالم عرب میں اس کی شہرت ہوئی اورلوگ اس سے جڑنے لگےتوانکے مطالبہ پراس کتاب کوعربی زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو دارالعلوم ندوۃ العلماءکےعربی زبان وادب کے چنداساتذہ نےاس کام کوبحسن خوبی انجام دیا، یہ انہی کی کاوشوں کاثمرہ ہے کہ آج ہمارے سامنے یہ کتاب منهج الحياة الايمانية والتربية والدينية فی ضوء الكتاب والسنة کےنام سےموجودہے،پیش نظر کتاب کا آغاز باب الصلاۃ سے ہے جس کی تعریب مولانا محمد الحسنی نے کی ہے۔یہ باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں: (۱) فضائل الصلاۃ (۲) بیان الوعید علی من ترک الصلاۃ (۳) فضل الجماعۃ (۴) العتاب علی من ترک الجماعۃ (۵) الخشوع فی الصلاۃ (۱) مولانا نے ترجمہ کرنے کے لیے پہلی فصل کو چنا جس میں نماز پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے(۲) مولانا نے

دوسری فصل میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو تارک الصلاۃ کے لئے وعید کے طور پر وارد ہوئیں ہیں، اسی طرح نماز سے بے رغبت اور لا پرواہ لوگوں کو نماز کی طرف ابھارا اور آمادہ کیا ہے۔

(۳) تیسری فصل میں مولانا نے ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے سلسلے میں وارد ہوئیں ہیں (۴) چوتھی فصل میں مولانا نے ان لوگوں کے پیشِ نظر جو جماعت کا اہتمام نہیں کرتے ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو تارک الجماعۃ کیلئے وعیدیں وارد ہوئیں ہیں، تاکہ لوگ جماعت کا اہتمام کرنے والے ہو جائیں۔

(۵) اور آخر میں ان قرآنی آیات اور احادیث کو ذکر کیا ہے جو خشوع وخضوع واخلاص کی طرف آمادہ کرتی ہے اور جہاں تک آپ کی عربی تحریر کی بات ہے تو وہ بالکل سلیس وبلیغ ہوتی ہے، آپ نے ثقیل ونامانوس الفاظ کو استعمال نہیں کیا جو کہ ایک ماہر ادیب کی علامت ہے اور احادیث کی تشریح اسطور یہ کی ہے۔ یہاں مثال کے طور پر کتاب کا ایک اقتباس ذکر کیا جا رہا ہے جو سہل وممتنع کا ایک بہترین نمونہ ہے:

إن هذه الاركان من اهم اركان الاسلام. وأسس الاسلام سبه رسول ﷺ فی هذا الحديث بخيمة. تقوم على خيمة اعمدة. فكلمة السادة عمودها الوسط. والاركان الباقية تمسك الخيمة من جهاتها الاربع. فإذاسقط العود الوسط سقطت الخيمة أما اذا قام هذا العود قامت الخيمة ولكنها تكون ناقصة إذا فقد أحدأعمدتهاالباقية.

(یہ پانچ چیزیں ایمان کے بڑے اصول اور اہم ارکان ہیں نبی کریم ﷺ نے اس حدیث پاک میں بطور مثال کے اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے پس کلمہ شہادت خیمہ کی درمیانی لکڑی کی طرح ہے اور بقیہ چاروں ارکان بمنزلہ ان چار ستونوں کے ہیں۔ جو چاروں کونوں پر ہوں اور اگر درمیانی لکڑی نہ ہو تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ لکڑی موجود اور چاروں طرف کے کونوں میں سے کوئی لکڑی نہ ہو۔ تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا لیکن جس کونے کی لکڑی نہیں ہوگی وہ جانب ناقص اور گری ہوئی ہوگی۔

طوفان سے ساحل تک

شیخ ثاقب شیخ ساجد
عالیہ ثالثہ شریعہ

یہ حضرت مولانا محمد الحسنیؒ کا کسی کتاب کا باقاعدہ پہلا ترجمہ ہے اس سے پہلے چند رسائل کے ترجمے کیئے تھے اور وہ بھی عربی میں یہ نومسلم سابق لیوپولڈ ویس محمد اسد صاحب کی انگریزی کتاب ROAD TO MECCA کا ترجمہ ہے، یہ کتاب ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں ٦٧ مضامین ہیں، قارئین کا یہ تاثر ہے کہ یہ ترجمہ اتنا سلیس رواں ہے کہ اصل کا گمان ہوتا ہے یہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سے ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوا اور اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب بلا شبہ ایک سفر نامہ ہے اس کتاب کے عنوان کے لیے اس سے بہتر اور مختصر لفظ ملنا مشکل ہے اس کتاب میں پڑھنے والوں کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی ایک سفر نامے میں تلاش اور توقع ہوتی ہے، لیکن قدیم وجدید سفر ناموں کی اس طویل قطار میں جس میں برابر اضافہ ہوتا رہا ہے یہ کتاب اپنے آپ میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

قدیم سیاحوں نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کیا تھا لیکن محمد اسد نے ایک دنیا سے دوسری دنیا کا سفر کیا ہے۔

مصنف کتاب نے سن ۱۹۲۲ء میں بیت المقدس کا سفر کیا اور پہلی مرتبہ صحرائے سینا میں ٹرین سے سفر کرتے ہوئے اس عرب قوم اور عربی تہذیب کی جھلک دیکھی جس کو اسلام نے تہذیب واخلاق کے ایک نئے سانچے میں ڈھالا تھا۔

انہوں نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ حج وزیارت کا سفر کر کے اس دین کے ساتھ اپنا روحانی ارتباط اور وابستگی مستحکم کی جزیرۃ العرب میں ایک مسلمان کی حیثیت سے

قیام کر کے عربی زبان اور دینیات اور اسلامی معاشرے سے اپنی واقفیت اور تعلق کو بڑھایا۔

ہندوستان کے قیام میں انہوں نے THE CROSS ROAD AT ISLAM کے نام سے ایک ایسی پرمغز اور فاضلانہ کتاب لکھی جس سے ہندوستان اور عالم اسلامی کے علمی و دینی حلقوں میں ایک ذہنی جنبش پیدا ہوگئی۔ ساتھ ہی انہوں نے سنت وحدیث کی طرف سے طاقتور وکالت کی اور اسلامی نظام زندگی میں ان کی اہمیت اورضرورت کو ثابت کیا، اورانہوں نے علامہ اقبال کی رفاقت اور رہنمائی میں فکر اسلامی کی تعمیر نو کا کام بھی کیا، ساتھ ہی انہوں نے عرفات کے نام سے ایک انگریزی رسالہ اور صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا عظیم الشان کام بھی شروع کیا جو بد قسمتی سے نا تمام رہ گیا۔

مولانا سید محمد الحسنی رحمہ اللہ کی ملاقات ان سے پہلی مرتبہ مکہ معظّمہ میں اور دوسری بار دمشق لبنان میں ہوئی جہاں وہ اپنی اس شہرۂ آفاق کتاب **THE ROAD TO MECCA** کا ترجمہ اپنی نگرانی میں کرا رہے تھے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب یہ ترجمہ شائع ہوا تو انہوں نے ازراہ کرم ایک نسخہ مجھے بھی بھیجا اس کتاب کو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا، جس میں انہوں نے اپنے ذہنی سفر ہجرت کی داستان اور قبول اسلام کی کہانی بڑے نفسیاتی اور ادبی انداز سے سنائی تھی۔

چنانچہ ہندوستان کے ایک بڑے صاحب نظر ناقد وتبصرہ نگار نے اس کتاب کے متعلق اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ وہ مغربی مذاق رکھنے والوں کے لیے لکھی گئی ہے اور مسلمانوں کی زیادہ کام کی نہیں ہے اسی بنا پر مجھ میں عرصے تک کتاب کے مطالعہ کے متعلق تقاضا اور شوق پیدا نہیں ہوا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے ایک سفر کی فرصت میں کتاب کے عربی ترجمہ الطریق الی مکۃ کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا تو میں مصنف کی نفسیاتی شناسی، بالغ نظری، اور حکمت عملی ودعوت کا قائل ہوگیا کہ انہوں

نے اسلام کی دعوت ایسے حکیمانہ انداز میں دی ہے کہ یہ کتاب مغرب کے باشندوں اور ہندوستان کے غیر مسلموں کے لیے اسلام اور اسلامی تہذیب کے سمجھنے کے لیے ایک اچھی تقریب اور تمہید بن گئی ہے، اس میں ناول کا لطف اور کہانی کی دل آویزی بھی ہے اور علم و فلسفے کی سنجیدگی اور معلومات کا ذخیرہ بھی، سادگی بھی ہے، پرکاری بھی، تفریح کا سامان بھی، زندگی کی رہبری اور انقلاب انگیزی کی صلاحیت بھی، اسی بنا پر اس کتاب نے امریکہ اور یورپ میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور انگریزی کے علاوہ (جس میں اصل کتاب ہے) یورپ کی چار زبانوں جرمن، سویدی **SWEDISH**، دلندیزی **DUTCH** اور فرنچ میں کتاب کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

مجھے اس سفر میں خیال آیا کہ اس کتاب میں مصنف کے وہ حالات و مشاہدات، تاثرات اور واقعات زندگی جو کتاب میں نہایت غیر مرتب اور منتشر طور پر بیان کیے گئے ہیں انہیں منتخب کر کے مرتب انداز میں پیش کیا جائے لہذا اسی مقصد کی تکمیل کے لئے میں نے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام سے اس کتاب کے ترجمے و انتخاب کی اجازت مانگی تو انہوں نے اس کا کام عزیزی مولوی محمد الحسنی رحمہ اللہ (مدیر البعث الاسلامی) کے سپرد کیا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبی اور سلیقہ کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا۔

عربی انگریزی کتابوں کو سامنے رکھ کر کتاب میں جا بجا فلسفہ اور نفسیات کی دقیق اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:
مشہور صاحب علم جرمن مسلمان لیوپولڈ ویس محمد اسد کی کتاب **THE ROAD TO MECCA** کا ترجمہ ''طوفان سے ساحل تک'' ایسا رواں اور شُستہ کیا ہے کہ اہل زبان عش عش کرنے لگیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''کتاب پڑھنے کے بعد کوئی انصاف پسند قاری ترجمے کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، کہیں سے اس میں ترجمہ پن کی بو نہیں آتی، معلوم ہوتا

ہے کہ مصنف کے قلم سے براہ راست یہ کتاب اردو میں نکلی ہے خدا کا شکر ہے کہ یہ ترجمہ ان کے والد ماجد کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا اور انہوں نے اپنے لائق اور ہونہار فرزند کی تحریری قابلیت اور ترجمے کا کمال دیکھ لیا‘‘۔

ایک مضمون کا خلاصہ: مصنف کتاب نے ٹرین کے ایک سفر میں جرمنی کے مرفہ الحال طبقے، کامیاب تاجروں اور خوش باش وتندرست آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی جن کا لباس اور سامان ان کی خوشحالی، معاشی بلندی اور خوش قسمتی کی شہادت دیتا تھا، لیکن ان کے اترے ہوئے مغموم چہرے، ان کی اداس صورتیں، ان کی پھیکی اور بناوٹی مسکراہٹ اس کا پتہ دیتی تھی کہ ان کو اندر سے کوئی غم کھائے جا رہا ہے اور وہ کسی ایسے روحانی کرب میں مبتلا ہیں جس کا ان کی مرفہ الحال تجارتی ترقی اور سامان عشرت کی فراوانی کے پاس بھی کوئی علاج نہیں۔ چند سوالات ان کے ذہن میں پیدا ہوئے۔

(۱) آخر ان کے پاس کس بات کی کمی ہے؟ (۲) اس روحانی کرب اور دل کے ناسور کا سرچشمہ کیا ہے ان کی زندگی میں یہ تضاد کیوں ہے؟ (۳) وہ جنت ارضی میں رہنے کے باوجود جہنم کی اذیتوں سے کیوں دوچار ہیں؟ (۴) ان کا اصل مرض کیا ہے جو ان کو گھن کی طرح کھا رہا ہے؟

ان کے دل میں اس معمہ کو حل کرنے اور اس پہیلی کو بوجھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی، فرماتے ہیں جب میں گھر واپس آیا تو اتفاقا میری نظر میز پر موجود قرآن کریم کے ایک نسخہ پر پڑی جو میرے مطالعے میں رہتا تھا میں اس کو بند کر کے کسی دوسری جگہ رکھنا ہی چاہتا تھا کہ غیر شعوری طور پر اچانک میری نگاہ کھلے ہوئے صفحے پر پڑی جس میں سورۃ التکاثر لکھی ہوئی تھی۔

لکھتے ہیں کہ اس سورت کو پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن کریم کسی انسان کی حکمت ودانائی کا نتیجہ نہیں جو ایک دور دراز جزیرۃ العرب میں تاریخ کے کسی دور میں تھا اس لیے کہ یہ انسان لاکھ سمجھدار حکیم ودانا صحیح مگر پھر بھی وہ اس عذاب کی پیشن گوئی نہیں کر سکتا تھا

جو بیسویں صدی کی خصوصیت ہے، مجھے قرآن کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اونچی اور گہری آواز سنائی دے رہی تھی۔

اسلام کی آغوش میں

اس بات کا واضح اور کھلا ہوا نتیجہ یہ تھا کہ میں اپنے ایک مسلمان ہندوستانی دوست کے پاس گیا جو اس وقت برلن میں مسلم انول کی انجمن کے صدر تھے اور ان سے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور میں نے بھی اپنا داہنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دو گواہوں کی موجودگی میں میں نے أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد رسول الله ﷺ کی گواہی دیکر اسلام قبول کر لیا، میرے دوستوں نے کہا کہ آپ کا نام ''لیو پولڈ'' ہیں اور ''لیو'' کے معنی یونانی زبان میں شیر کے آتے ہیں، اس لیے ہم آج سے آپ کو محمد اسد کہیں گے چند ہفتے بعد میری بیوی نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

محمد اسد نے اپنے وجود اور دلچسپیوں کو اس امت کے وجود اور دلچسپیوں اور اس عالم کے مسائل وافکار میں اسی طرح ضم کر دیا جیسے ایک خاندان کا فرد اپنے وجود اور شخصیت اور صلاحیتوں کو اس خاندان کے وجود و دلچسپیوں اور مسائل میں ضم کر دیتا ہے، ساتھ ہی جزیرۃ العرب میں ایک مسلمان کی حیثیت سے قیام کر کے عربی زبان اور دینیات اور اسلامی معاشرہ سے اپنی واقفیت اور تعلق کو بڑھایا اور اس معاشرے اور اس کے ذمہ دار افراد سے اتنا گہرا تعلق واعتماد حاصل کیا کہ سلطان ابن سعود کے معتمد اور امام سنوسی کے قاصد کی حیثیت سے نازک مہمیں انجام دیں۔

پا جا سراغ زندگی

عبید اللہ معاذ
عالیہ رابعہ شریعہ

پیش نظر کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ان تقریروں وخطبات کا مجموعہ ہے، جوانہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیو بند میں طلبہ کے سامنے دیئے تھے، اس کتاب کو مولانا سید محمد الحسنیؒ نے ترتیب دیا ہے اور اس کا مقدمہ لکھا ہے، اور یہ مولاناؒ کی مقبول ترین کتابوں میں سے ایک ہے، ان تقریروں کا مرکزی خیال اور بنیادی موضوع ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ ایک طالب علم کی نگاہ کن بلند مقاصد پر رہنی چاہئے، اور اپنے محدود و مخصوص ماحول میں رہ کر بھی وہ کیا کچھ بن سکتا ہے، اور اللہ تعالی نے جو جوہر وکمال اس کے اندر پیدا فرمائے ہیں اس کو ترقی دے کر اور چمکا کر وہ کن علمی وروحانی بلندیوں پر اپنا نشیمن بنا سکتا ہے، مولاناؒ نے یہ تقریریں جس درد وسوز سے کی اور اپنے طویل علم، مطالعہ اور تجربہ ومشاہدہ کا نچوڑ جس طرح پیش کیا ہے ایسا لگتا ہے کہ مولاناؒ نے گویا اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہو۔

عالم اسلام کے زوال اور انتشار کے موقع پر علمائے اسلام کی ذمہ داری کے احساس ،ان کی کوتاہی اور تقصیر پر قلبی اذیت ، نیز ندوۃ العلماء کے وسیع و جامع تر تخیل کی نزاکت و اہمیت نے شاید ان کو اس بات پر امادہ کیا کہ وہ اپنا سارا علمی اثاثہ بے تکلف ومخلصانہ طریقہ پر اپنے عزیز طلباء کے سامنے رکھ دیں، اور جن نتائج تک وہ طویل علمی رہ نوردی اور تحقیق وجستجو کے بعد پہنچے تھے اس کا ماحصل اور خلاصہ ان کے سامنے بیان کر دیں۔

یہ کتاب مولانا کی ان ۱۱ تقاریر کا مجموعہ ہے جو مولاناؒ نے مختلف مواقع سے کی ہیں۔

(۱) اخلاص جذبہ قربانی اور جوہر ذاتی۔ (۲) مدرسے کا مقصد۔ (۳) ذاتی تعلق ذاتی محنت اور جذبۂ خدا طلبی (۴) آج نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر الحاد وحریت کا حملہ ہے، کوئی شاہین ہے جو اس کے مقابلے کی سعادت حاصل کر سکے۔ (۵) اخلاص اور اختصاص، یہ دو چیزیں انسان کو کامل

بنانے کے لیے کافی ہیں۔(۶) پاکیزہ ذوق، علم ومطالعہ کی کنجی ہے۔(۷) زمانے کا دامن پھیلتا اور سمٹتا رہتا ہے، آج ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ محنت، تیاری اور سرمایۂ علم کی ضرورت ہے۔(۸) طالبانِ علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں۔(۹) عصر جدید کا چیلنج اور اس کا جواب۔(۱۰) زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے۔(۱۱) مدرسہ کیا ہے؟۔

اس مجموعہ کی دو تقریریں دارالعلوم دیوبند میں کی گئی ہیں، ایک ''طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں'' کے عنوان سے ہے، یہ مقالہ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کے ایک جلسے میں مارچ ۱۹۵۴ء میں پڑھا گیا، اور اس کا شمار مولاناؒ کی موثر ترین تحریروں میں سے ہے، دوسری تقریر ''عصر جدید کا چیلنج اور اس کا جواب'' ہے، یہ تقریر بھی دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی خواہش اور فرمائش پر ایک اجتماع میں کی گئی جس میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور دارالعلوم کے ذمہ دار بھی بڑی تعداد میں شریک تھے۔

آخر کی دو تقریریں وہ ہیں جو مولاناؒ نے جامعہ رحمانی، مونگیر اور جامع ہدایت، جے پور میں کی ہیں، ان تقریروں کے اضافے سے کتاب کی اہمیت اور افادیت کہیں بڑھ گئی ہے نمونہ کے طور پر ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ہر انقلاب کے سرے پر جہاں سے اس انقلاب کا چشمہ پھوٹتا ہے، جہاں سے انقلاب کا سیلِ رواں آگے بڑھتا ہے، آپ کو ایسی شخصیت نظر آئے گی جس کے اندر کسی چیز کا یقین دل ودماغ کی تہہ میں پیوست ہے، اور تمام اعصاب پر پوری طرح حاوی ہے، جس کے اندر ایک ایسی مقناطیسی اور برقی قوت موجود ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں کو متاثر کرتی ہے۔

محض خطابت سے، دو چار اچھی تصنیفات سے، قلم کی روانی سے، خیالات کے سلجھاؤ سے، کسی نادر علمی تحقیق سے محض کسی نئے طرز میں کسی پرانے خیال کو یا نئے جام میں کسی شرابِ کہن کو پیش کرنے سے کوئی نیا انقلاب، اور انقلاب تو بڑی چیز ہے کوئی معمولی تبدیلی بھی پیدا نہیں ہوسکتی، اس زمانے میں ضرورت ہے کردار کی، قلب کی، دردمندی کی، اندرونی سوز کی، ایک ایسی حرارت کی جو اندر ہی اندر جلا رہی ہو، اعصاب کو پگھلا رہی ہو اور پھر یہ لاوا پھوٹ کر کوہِ آتش فشاں کی طرح بڑھ رہا ہو اور اس کی تپش اور سوزش سینکڑوں اور ہزاروں دلوں کو گرما رہی ہو۔

سالانہ رپورٹ انجمن الاصلاح

معہد القرآن الکریم، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عبدالناصر نعمان

عالیہ رابعہ شریعہ (ہ)

میں اکیلا ہی چلا تھا، جانب منزل مگر   لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

الحمدللہ سال رواں کی طرح امسال بھی انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم اپنی تمام تر سرگرمیوں کے ساتھ اپنے سفر پر رواں دواں تھی، ۱۹۱۶ء کا وہ مسرت آمیز و مسرت انگیز لمحہ تھا، جب پہلی دفعہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں جمعیۃ الاصلاح کا انعقاد ہوا، روز قیام سے لے کر اب تک انجمن الاصلاح کی ساری سرگرمیاں قائم ہیں، جن سے طلبہ میں ذہنی، فکری، تربیتی، ادبی، اصلاحی وثقافتی، لسانی وقلمی استعداد کو جلا ملی، اور آج بھی یہ انجمن اپنے مقاصد کی طرف برق رفتاری کے ساتھ گامزن ہے، دار العلوم کے احاطہ میں مرکزی جمعیۃ الاصلاح کے علاوہ کئی انجمنیں ہیں، جو مختلف رواقوں میں قائم ہیں، طلبہ پورے سال ذوق وشوق کے ساتھ ان کے تمام شعبوں سے استفادہ کرتے ہیں، انہیں میں انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم بھی ہے، جو (۱۹۸۹ء) میں قائم ہوئی۔

سال رواں بھی متعدد مواقع پر یہ جلسے منعقد ہوئے، ذیل میں پورے سال ہونے والے جلسوں کے مناظر نذر قارئین ہیں۔

مجموعی طور پر امسال جلسوں کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرأت (ترتیل) ایک جلسہ (۲) ترجمۂ قرآن دو جلسے (۳) حفظ حدیث دو جلسے (۴) بزم خطابت نو جلسے (۵) بزم سلیمانی پانچ جلسے (۶) بزم جوہر چھ جلسے (۷) بیت بازی دو جلسے (۸) کوئز ایک جلسہ (۹) شعبۂ صحافت (۱۰) مطالعہ تصنیفات ۔

اہم جلسوں پر طائرانہ نظر:

☆ ۴؍مئی ۲۰۲۳ء کو مربیان الاصلاح جناب مولانا مفتی قاری محمد ریاض مظاہری و جناب مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی زید مجدہم کی اتفاق رائے سے ناظم انجمن کا انتخاب عمل میں آیا اور محمد مزمل حسین صدیقی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔

☆ ۶؍مئی ۲۰۲۳ء کو تمام اراکین انجمن کا انتخاب عمل میں آیا اوران کو شعبوں کی ذمہ داری سونپی گئی۔

☆ ۸؍مئی ۲۰۲۳ء کو بعد نماز مغرب انجمن الاصلاح کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی (ناظم ندوۃ العلماء) منعقد ہوا۔

☆ ۱۱؍مئی ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بزم خطابت کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت جناب مولانا مفتی قاری محمد ریاض مظاہری منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا۔

☆ ۱۵؍جون ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بزم سلیمانی کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت جناب مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی منعقد ہوا۔

☆ ۲۲؍جون ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بزم جوہر کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت جناب مولانا یوسف مصطفیٰ ندوی منعقد ہوا۔

☆ ۱۴؍اگست ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بزم صحافت کا افتتاحی جلسہ جناب مولانا محمد علاء الدین صاحب ندوی (عميد كلية اللغة و آدابها) کی صدارت میں منعقد ہوا۔

☆ ۳۱؍اگست ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بیت بازی کا پہلا انعامی مقابلہ زیر صدارت جناب مولانا انیس احمد ندوی منعقد ہوا۔

☆ ۲۵؍دسمبر ۲۰۲۳ء بروز پیر مطالعۂ تصنیفات حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ کا جلسہ زیر صدارت جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی (ناظر عام ندوۃ العلماء) زید مجدہم منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے اپنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کیا۔

سالانہ انعامی مسابقات:

یہ بزم مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی　　جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

☆ ۲۱ر دسمبر ۲۰۲۳ء بروز جمعرات پہلا انعامی مسابقہ ''قرأت'' (ترتیل) ہوا، جس میں صدر جناب مولانا مفتی قاری محمد ریاض مظاہری اور حکم جناب مولانا مفتی محمد ساجد ندوی، جناب مولانا قاری عبد اللہ ندوی تھے، جس میں بالترتیب اول، دوم، سوم پوزیشن ذیل طلبہ نے حاصل کی:　　اول پوزیشن: شیخ ثاقب

دوم پوزیشن: سید نجات اللہ　　سوم پوزیشن: تنویر اعظم

☆ ۲۸ دسمبر ۲۰۲۳ء بروز جمعرات دوسرا انعامی مسابقہ ''ترجمۂ قرآن'' (سورۃ الفجر تا سورۃ الناس) (نور التفسیر از مولانا محمد فرمان ندوی) و ''حفظ حدیث'' (۴۰ حدیثیں) (گلدستۂ احادیث شیخ محی الدین عوامہ مترجم محمد اویس ندوی) جس میں صدر جناب مولانا فخر الحسن ندوی (ناظر شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء اور حکم مولانا رشید احمد ندوی و مولانا عبد الرشید ندوی تھے۔

ترجمۂ قرآن:

اول پوزیشن: عبد الناصر　دوم پوزیشن: اورنگ زیب　سوم پوزیشن: محمد ابواسامہ

حفظ حدیث:

اول پوزیشن: اورنگ زیب　دوم پوزیشن: نور الاسلام　سوم پوزیشن: ظہیر الدین

☆ ۱ر جنوری ۲۰۲۴ء بروز پیر تیسرا انعامی مسابقہ ''بزم سلیمانی'' ہوا، جس میں صدر و حکم جناب مولانا ابوبکر صدیق ندوی اور حکم جناب مولانا محمد مستقیم ندوی تھے، بعنوان (قضیہ فلسطین: دو ریاستی حل کا علمی و تاریخی جائزہ) جس میں بالترتیب اول، دوم، سوم پوزیشن درج ذیل طلبہ نے حاصل کی۔

اول پوزیشن: شائق ظفر　دوم پوزیشن: محمد اسلم　سوم پوزیشن: عبید اللہ معاذ، محمد اشتیاق

☆ ۴ر جنوری ۲۰۲۴ء بروز جمعرات چوتھا انعامی مسابقہ ''بزم جوہر'' ہوا، جس میں صدر و حکم جناب ماسٹر محمد احتشام (استاذ شعبہ انگریزی ندوۃ العلماء) بعنوان

Importance of English Language تھے، اور حکم کے فرائض ماسٹر رفیق احمد نے انجام دیئے، جس میں بالترتیب اول، دوم، سوم درج ذیل طلبہ قرار پائے۔

اول پوزیشن: عبداللہ انصاری دوم پوزیشن: نورالاسلام سوم پوزیشن: محمد آصف

☆ ۸/ جنوری ۲۰۲۴ء بروز پیر پانچواں انعامی مسابقہ ''کوئز'' (کتاب : بین الاقوامی معلومات از مولانا سید عنایت اللہ ندوی، ص: ۹۹ تا ۲۰۸) منعقد ہوا، جس میں صدر و حکم مولانا سید عنایت اللہ ندوی تھے اور مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن صاحب ندوی نے حکم کے فرائض نے انجام دیئے۔ جس میں اول، دوم پوزیشن ان طلبہ نے حاصل کی:

اول پوزیشن: محمد ابرار دوم پوزیشن: عبدالناصر

☆ ۱۱/ جنوری ۲۰۲۴ء بروز جمعرات چھٹا انعامی مسابقہ ''بزم خطابت'' زیر صدارت جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی منعقد ہوا۔ **عنوان برائے علیا:**

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

عنوان برائے سفلی:

وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور حکم کے فرائض مولانا محمد عامر بیگ ندوی و مولانا محمد امجد ندوی نے انجام دیئے، جس میں بالترتیب اول، دوم، سوم درج ذیل طلبہ قرار پائے۔

علیا: اول پوزیشن: شائق ظفر دوم پوزیشن: نورالاسلام سوم پوزیشن: فیصل اقبال

سفلی: اول پوزیشن: عبدالواحد دوم پوزیشن: عبدالناصر سوم پوزیشن: اسرار الحق

☆ ۱۸/ جنوری ۲۰۲۴ء بروز جمعرات ساتواں انعامی مسابقہ ''بیت بازی'' جناب رحمت لکھنوی صاحب کی صدارت میں ہوا، جس میں حکم کے فرائض جناب مولانا اصطفاء الحسن ندوی و مولانا ادیب الرحمٰن صاحب ندوی نے انجام دیئے، جس میں چار ٹیموں نے شرکت کی، اور ٹیم جگر مرادآبادی فائز قرار پائی۔

تقسیم انعامات کا جلسہ عمید کلیۃ اللغۃ مولانا محمد علاء الدین ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا، اور کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا گیا۔

فہرست معتمدین واراکین

رواق معہد القرآن الکریم، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ناظم انجمن الاصلاح	محمد مزمل حسین
نائب ناظم	عبدالناصر نعمان
معتمد دارالکتب	عبیداللہ معاذ
نائب معتمد	محمد رضوان
معاونین	ظہیرالدین، شیخ ثاقب، محمد اسرار، معاذ اجمل محمد شارق، فضیل بیگ
معتمد بزم خطابت	محمد عامر
نائب معتمد	محمد اورنگ زیب
معتمد بزم سلیمانی	محمد ابواسامہ
نائب معتمد	شکیل احمد
معتمد بزم جوہر	فیصل اقبال
نائب معتمد	مرزا معاویہ
معتمد بزم صحافت	سعید نسیم
نائب معتمد	محمد ابوذر
معتمد بزم ثقافت	محمد رضوان
نائب معتمد	محمد بلال

معاونین	ابوعبادہ، شیخ مختار
معتمد دارلاخبار	سیف الاسلام
نائب معتمد	محمد ابرار
اراکین انجمن الاصلاح	صدیق الرحمٰن، شاہنواز، محمد فاضل، محمد ایان نبیل اختر، وقار یونس، وصی الرحمٰن

نظمائے انجمن الاصلاح

رواق معہد القرآن الکریم، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱)	رضوان اختر ندوی	۱۹۸۹/۹۰ء
۲)	نسیم فتح پوری ندوی	۱۹۹۰/۹۱ء
۳)	محب اللہ رام پوری ندوی	۱۹۹۱/۹۲ء
۴)	مقبول احمد ندوی	۱۹۹۲/۹۳ء
۵)	محمد فہیم کانپوری ندوی	۱۹۹۳/۹۴ء
۶)	محمد عمران قطب ندوی	۱۹۹۴/۹۵ء
۷)	محمد منہاج الدین لکھیم پوری ندوی	۱۹۹۵/۹۶ء
۸)	محمد قمر سہارنپوری ندوی	۱۹۹۶/۹۷ء
۹)	محمد ارشاد ندوی	۱۹۹۷/۹۸ء
۱۰)	ابوالحیات پورنوی ندوی	۱۹۹۸/۹۹ء
۱۱)	ابوالحیات پورنوی ندوی	۱۹۹۹/۲۰۰۰ء
۱۲)	محمد عیسیٰ فضل الرحمٰن ندوی	۲۰۰۰/۰۱ء
۱۳)	محفوظ الرحمٰن ندوی	۲۰۰۱/۰۲ء
۱۴)	جاوید اکبر گجراتی ندوی	۲۰۰۲/۰۳ء
۱۵)	محمد فرحان ندوی	۲۰۰۳/۰۴ء
۱۶)	عبدالقدیر ندوی	۲۰۰۴/۰۵ء
۱۷)	محمد شرف عالم ندوی	۲۰۰۵/۰۶ء

۱۸) محمد محسن ندوی	۲۰۰۶/۰۷ء
۱۹) محمد ناصر مونگیری ندوی	۲۰۰۷/۰۸ء
۲۰) محمد شاہد ندوی	۲۰۰۸/۰۹ء
۲۱) محمد ذاکر بارہ بنکوی ندوی	۲۰۰۹/۱۰ء
۲۲) عبداللطیف بھوپالی ندوی	۲۰۱۰/۱۱ء
۲۳) محمد اویس ندوی	۲۰۱۱/۱۲ء
۲۴) محمد اکرم خان کانپوری ندوی	۲۰۱۲/۱۳ء
۲۵) محمد عبداللہ کانپوری ندوی	۲۰۱۳/۱۴ء
۲۶) محمد شمیم ہردوئی ندوی	۲۰۱۴/۱۵ء
۲۷) محمد معصوم سیفی ندوی	۲۰۱۵/۱۶ء
۲۸) محمد کاشف بیگ ندوی	۲۰۱۶/۱۷ء
۲۹) محمد سرفراز عالم ندوی	۲۰۱۷/۱۸ء
۳۰) محمد صادر ندوی	۲۰۱۸/۱۹ء
۳۱) محمد قمر خان ندوی	۲۰۱۹/۲۰ء
۳۲) محمد ارشاد میواتی ندوی	۲۰۲۲/۲۳ء
۳۳) محمد مزمل حسین صدیقی ندوی	۲۰۲۳/۲۴ء